مرد چاہتا ہے کہ اس کا خاندانی شجرہ پھلتا پھولتا جائے

لیکن ببول کے کانٹوں میں گلاب نہیں کِھلتا

شجرہ

محی الدین نواب

انسانی ضد اور خواہشات ناممکن کو ممکن بنا دیتی ہیں
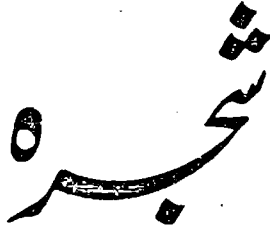
جو شجر زیادہ پھل دیتا ہے
اسے زیادہ پتھر مارے جاتے ہیں۔
جو عورت اولاد کا پھل نہ دے
اسے زیادہ طعنے مارے جاتے ہیں۔
مرد چاہتا ہے اس کا خاندانی شجرہ پھلتا پھولتا جائے۔
لیکن ببول کے کانٹوں میں گلاب نہیں کھلتا۔
اپنے خاندان کا شجرہ بنانے والو!
دیکھو، تمھاری عورت نے کیا کرشمہ دکھایا ہے۔
ببول کے کانٹوں میں گلاب کھلایا ہے۔

راہ داری کے ایک سرے پر ماں کا کمرا تھا۔ دوسرے سرے پر بیوی کا کمرا اور وہ دونوں کے درمیان کھڑا ہوا تھا۔

اس کو کہتے ہیں دو کشتیوں میں پاؤں رکھنا اور دونوں کے درمیان ڈوب مرنا۔ ماں نے اپنی کمرے کے دروازے پر سے دھمکی دی "اگر اس کلموہی کے پاس جائے گا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

بیوی نے اپنے کمرے کی دہلیز پر سے کہا "دودھ پینے کی عمر ہو تو بچہ ماں کی گود میں جاتا ہے تم تو دروازہ کھول کر بیٹے کو بلا رہی ہو۔ میں دروازہ بند کر کے تماشا دکھاتی ہوں اُدھر جاتا ہے دیکھو یا ادھر پروانہ آتا ہے؟"

یہ کہتے ہی بہو نے ایک زوردار آواز سے اپنے کمرے کے دروازے کو بند کرلیا۔ یہ نفسیاتی حملہ تھا۔ مرد سے کوئی بات منوانا ہو تو ادائیں دکھاؤ' نہ مانے تو سامنے آکر چھپ جاؤ دروازہ بند کرکے شجر ممنوعہ بن جاؤ تو فطری اور نفسی تقاضوں کے مطابق وہ گھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

وہ تیزی سے چلتا ہوا بند دروازے کی طرف جانے لگا تو رخ بیوی کی طرف ہوگیا اور پشت ماں کی طرف۔ ایسے میں ماں کی پکار دور ہوتی چلی گئی۔

اس نے بند دروازے پر دستک دیتے ہوئے کہا "دروازہ کھولو۔"

اندر سے آواز آئی۔ "نہیں کھولوں گی۔"

عورت جب پہلی بار دلہن بن کر آتی ہے تو کمرے کا دروازہ کھلا رکھتی ہے۔ مرد فاتح کی شان سے اندر آتا ہے۔ وہ پہلی رات کا سکندر ہوتا ہے۔ اس کے بعد دروازہ عورت کی مرضی سے کھلتا ہے اور عورت کی ضد سے بند ہوتا ہے اور بند دروازہ کہتا ہے آؤ سکندر اعظم! ماں کا دودھ پیا ہے تو دروازہ کھول کر دکھاؤ۔

اس نے راہ داری کے آخری سرے پر ماں کو دیکھا وہ کہہ رہی تھی۔ "غلاظت کی اس پوٹ کو خاندان سے باہر پھینک دے۔"

وہ بری طرح الجھ کر رہ گیا تھا۔ ماں اچھی باتیں سمجھاتی ہے۔ منہ میں مچھلی کا کانٹا آئے تو نگلنا نہیں چاہئے۔ تھوک دینا چاہئے۔

اس خاندان کے لوگ بڑے نفاست پسند تھے ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے لیکن یہ ناقابل تردید سچائی ہے کہ آدمی چار دن کا بھوکا ہو اور کھانے میں مکھی گرجائے تو نفاست پسندی کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جاتی۔ اس لیے مکھی پھینک دیتے ہیں کھانا نہیں پھینکتے۔

وہ اسے پھینکنا نہیں چاہتا تھا بند دروازے پر دستک دیتے ہوئے بولا "پلیز دروازہ کھولو۔"

اندر سے آواز آئی "پہلے کھڑکی سے بات کرو۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا کھڑکی کے پاس آیا۔ اندر سے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ کمرے کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا چھت سے پنکھا لٹک رہا تھا پنکھے سے رسی لٹک رہی تھی اور رسی کے نچلے سرے پر پھندا بنا ہوا تھا۔

پھندا ابھی خالی تھا اس میں بیوی کی گردن آنے والی تھی وہ لٹکنے والے پھندے کے نیچے ایک کرسی رکھ رہی تھی۔ وہ تڑپ کر بولا۔ "یہ کیا حماقت ہے وہاں سے کرسی ہٹاؤ دروازہ کھولو۔"

وہ بولی "یہ قصہ ختم ہو جانا چاہیے۔ میں مرجاؤں تو میرے بچوں کو کسی فلاحی ادارے میں بھیج دینا۔"

اس نے عاجزی سے کہا۔ "بچے یہ تماشا دیکھیں گے تو ہمارے متعلق کیا رائے قائم کریں گے؟"

"یہ تم سوچو کہ بچے کیا کہیں گے اور دنیا کیا کہے گی؟"

دنیا ہمیں کچھ نہیں دیتی آدمی اس سے بہ زور بازو اور بہ زور ذہانت چھین کر اپنا مان مرتبہ بڑھاتا ہے۔ دنیا خود کچھ نہیں دیتی مگر عزت اور ذلت کا حساب ضرور لیتی ہے وہ عزت دولت اور شہرت کی جس بلندی پر تھا وہاں سے نیچے گرنا نہیں چاہتا تھا۔

وہ نیچے نہ گرنے کی بات سوچ رہا تھا اور اس کی بیوی کرسی پر چڑھ گئی تھی پھندا ایک ایسی اونچی جگہ ہوتا ہے جہاں سے کرسی کو لات مار کر گرانے کے باوجود گرانے والا نیچے نہیں گرتا۔ موت کے بعد بھی بلندی پر لٹکتا رہتا ہے۔

وہ پھندے کو اپنی گردن میں ڈالتے ہوئے بولی "میں نے ایسی موت کا انتخاب کیا ہے کہ مرنے کے بعد بھی نہیں گروں گی لیکن تم اپنے مقام سے گر جاؤ گے۔"

وہ پھندے کو اپنی گردن میں کستے ہوئے بولی "یہ فیصلے کی آخری گھڑی ہے۔ بولو میں کرسی کو لات ماروں یا تم اپنی ماں کو ٹھوکر مارو گے؟

اس کی اوپر کی سانس اوپر ہی رہ گئی وہ ایک ساعت کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ وہ فیصلے کا آخری لمحہ تھا اس نے سر گھما کر بند دروازے کو دیکھا وہ نہیں کھل سکتا تھا۔ اور کھل بھی سکتا تھا لیکن اس سے پہلے پچھلی زندگی کے دروازے کھلتے چلے گئے۔

شائستہ نے زندگی میں پہلی بار ایسی محل نما کوٹھی میں قدم رکھا تھا۔ جو قیمتی آرائشی سامان سے سجی ہوئی تھی۔ وہ کوٹھی اندر سے بہت بڑی تھی۔

وہ دادی ماں کا ہاتھ تھام کر ایک جھگی سے آئی تھی۔ اس لیے تالاب کی مچھلی کی طرح سمندر کو آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہی تھی۔ وہاں بڑے سارے شاہانہ صوفے پر ایک داڑھی والے بزرگ اپنی بیگم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے آس پاس کے صوفوں پر دو نوجوان تھے۔ دادی ماں اس بڑے خاندان میں دائی ماں کہلاتی تھیں۔ وہ داڑھی والے بزرگ اور دونوں جوان بیٹے سب ہی دائی ماں کے ہاتھوں سے پیدا ہوئے تھے۔ بڑے گھروں کی بہویں مہنگے میٹرنٹی ہومز میں بچے پیدا کرنے جاتی ہیں لیکن ولایت علی کے خاندان میں یہ عقیدہ راسخ ہوگیا تھا کہ دائی ماں کے تجربہ کار ہاتھوں سے بچے صحیح سلامت دنیا میں آتے ہیں۔

دائی ماں نے شائستہ کے سر پر ہاتھ رکھ کر داڑھی والے بزرگ سے کہا "ولایت میاں! یہ میری پوتی ہے شائستہ۔"

ولایت علی نے کہا "ماشااللہ بہت پیاری بچی ہے۔"

چھوٹے صاحبزادے وکالت علی نے شائستہ کو نظر بھر کر دیکھا پھر دل میں کہا "بڑی بھرپور بچی ہے۔"

بڑے صاحبزادے صداقت نے سنجیدگی سے سوچا "ایک جوان لڑکی یہاں رہے گی تو دنیا والے کیا کہیں گے؟"

ولایت علی کی بیگم سعدیہ نے سوچا "میں سمجھ رہی تھی کہ غریب کی بچی ہے کالی پیلی ہوگی۔ گھر کا کام کرے گی اور کسی کونے میں پڑے گی۔ مگر یہ تو ..."

بیگم سعدیہ کی سوچ مکمل ہونے سے پہلے ہی ولایت علی نے کہا۔ "دائی ماں ہم جو زبان دیتے ہیں اس پر جان دے کر بھی عمل کرتے ہیں ہمارے وعدہ کے مطابق تمہاری پوتی آج سے ہماری بیٹی ہے۔ یہ ہمارے خاندان کے ایک فرد کی طرح یہاں رہے گی تم تمام فکروں سے آزاد ہوجاؤ۔"

دائی ماں نے ہاتھ جوڑ کر کہا "ولایت میاں! تمہارا یہ احسان کبھی نہیں بھولوں گی۔ میں مرجاؤں گی تو میری پوتی یاد رکھے گی۔"

بیگم سعدیہ نے پوچھا "یہ کچھ پڑھنا لکھنا جانتی ہے؟"

"جی ہاں اول نمبر سے دس جماعتیں پاس کرچکی ہے۔"

وکالت نے پوچھا "دائی ماں! یہ منہ سے کیوں نہیں بولتی ہے؟"

وہ کیا بولتی؟ جب سے آئی تھی کوٹھی کی شاہانہ شان و شوکت دیکھ دیکھ کر دنیا کو بھول رہی تھی۔ جھگی کی تاریکیوں میں رہ کر روشنی کے خواب دیکھتی آئی تھی۔ ایک دم سے روشنی میں پہنچ کر آنکھیں چندھیا رہی تھیں۔

ولایت نے بڑا سا حقہ گڑگڑایا پھر مسکرا کر کہا "شائستہ بیٹی! جن چیزوں کو تم حسرت سے دیکھ رہی ہو یہ آج سے تمہاری ہیں۔"

وہ حیران رہ گئی۔ یہ آج سے میری ہیں؟ یہ بڑے لوگوں کی سخاوت ہے یا محض رسمی فقرہ ہے؟

کسی نے اس کی ماں کو ایسے ہی سبز باغ دکھائے تھے ایسے ہی خوابوں اور خیالوں سے بہلاتا رہا تھا۔ دادی ماں نے شائستہ کی ماں کو سمجھایا کہ یہ دولتمند غریب لڑکیوں کو کھلونا سمجھتے ہیں لیکن وہ سمجھنا نہیں چاہتی تھی۔ جوانی میں کوئی نصیحت سنائی نہیں دیتی۔ سنائی دے تو سمجھ میں نہیں آتی۔ شائستہ کی ماں اپنے عاشق سے کہتی تھی شادی کرلو۔ وہ کہتا تھا محبت کرنے والے شادی نہیں کرتے۔ شادی کرنے سے محبت فنا ہوجاتی ہے۔"

دادی ماں نے بیٹی کو سمجھایا' کچھ منایا کچھ زبردستی کی اور اس کی شادی اپنے ہی طبقہ کے ایک مزدور سے کردی۔ یہ باتیں شائستہ کو ہوش سنبھالنے کے بعد معلوم ہوئیں کہ اس کی ماں کسی کی وفادار نہ رہ سکی۔ ساری زندگی ایک دولتمند اور ایک مزدور کے درمیان الجھتی رہی۔ نہ غریب شوہر کی ہوسکی اور نہ دولت والے کو حاصل کرسکی۔

ماں کی نادانی نے شائستہ کو سمجھا دیا تھا کہ لڑکیوں کو خواب تو دیکھنا چاہیے لیکن کھلی آنکھوں سے سبز باغ نہیں دیکھنا چاہیے اگر کوئی کہے کہ یہ دنیا تمہاری ہے تو اسے سخاوت سمجھو یا رسمی فقرہ مان لو۔ یقین تب کرو جب اپنی حکمت عملی سے دنیا جیت لو۔

شائستہ نے ولایت علی کے بڑے صاحبزادے صداقت کو دیکھا۔ صداقت نے کہا "کسی کی جوان بیٹی کو اپنے گھر میں رکھنا مناسب نہیں ہوتا لیکن ابا جان نے شائستہ کو بیٹی کہہ کر عزت دی۔ ہم بھی اسے اپنے گھر کی عزت اور غیرت سمجھیں گے۔"

دائی ماں نے خوش ہوکر کہا "ماشااللہ میرے بیٹے کا دل شاہوں جیسا ہے اور صورت شہزادوں جیسی ہے۔"

دائی ماں کی زبان سے صداقت کی تعریف سن کر بیگم سعدیہ کے تیور بدل گئے۔ وہ سوتیلا تھا۔ اس کی برتری برداشت نہیں ہوتی تھی۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہوگئیں پھر اپنے بیٹے

وکالت سے بولیں "تم کسی شاہ کا خون نہیں ہو کہ شہزادے کہلاؤ۔ تم اپنے باپ ہی کی اولاد ہو۔ چلو یہاں سے۔"

صداقت کے چہرے پر ہنسی آگئی۔ بیگم سعدیہ نے اس کی ماں پر کیچڑ اچھالی تھی۔ وہ مٹھیاں بھینچ کر سوتیلے بھائی سے بولا "تمہارا نام وکالت ہے اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ کسی وکیل کی اولاد ہو۔ میرے ہی باپ کا خون ہو۔"

بیگم جاتے جاتے پلٹ کر بولیں۔ "میرے منہ نہ لگنا ورنہ مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

ولایت علی نے کہا "صداقت! کیا جواباً" ایسا کہنا ضروری تھا۔ تم تو بڑی سے بڑی بات پی جاتے ہو۔"

وہ اٹھتے ہوئے بولا "جی ہاں میں بیگم امی کے جوتے بھی کھا سکتا ہوں مگر اپنی ماں کے خلاف ایک لفظ بھی برداشت نہیں کرسکتا۔"

وہ تیزی سے چلتا ہوا شائستہ کے سامنے سے گزر کر باہر چلا گیا۔ بیگم سعدیہ نے شوہر سے کہا "آپ نے اس کے ہاتھ میں کاروبار دے کر اسے خود سر بنا دیا ہے یہ سب سر چڑھانے کا نتیجہ ہے کہ یہ میرے بھی سر پر چڑھ کر بولنے لگا ہے۔"

"ایسی بات نہیں ہے بیگم! تم جانتی ہو یہ زیادہ بولتا نہیں ہے۔ آج تمہاری باتوں نے اسے بولنے پر مجبور کردیا تھا۔ اس کے بعد دیکھ لو کہ کیسے سرجھکا کر چلا گیا ہے۔"

"آپ اس کی حمایت میں ضرور بولیں گے۔ کبھی وکالت کے لیے بھی کچھ سوچتے اور کرتے ہیں؟"

"یہ لڑکا کاروبار سے دلچسپی لے گا تو میں اس کے لیے بھی کچھ کروں گا۔"

"ضرور دلچسپی لے گا کل ہی سے آپ کے ساتھ مل میں جائے گا اسے آپ مل کا ایک شعبہ دیں گے یہ صداقت کا محکوم بن کر وہاں کام نہیں سنبھالے گا۔"

وہ جانے لگیں وکالت بھی صوفے سے اٹھا اور شائستہ کو مسکراتے ہوئے دیکھ کر ماں کے پیچھے چلا گیا۔

ولایت علی نے بیگم کے اس انداز پر دائی ماں کو بے بسی سے دیکھا پھر کہا "تم تو جانتی ہو یہ اپنے وکالت کے معاملے میں ایسی ہی جذباتی ہیں۔"

دائی ماں برسوں سے اس گھر کے ہر فرد کے مزاج کو سمجھتی تھی شائستہ نے پہلے ہی دن سمجھ لیا کہ بیگم سعدیہ کی چاپلوسی کرکے ہی وہاں قدم جمائے جاسکتے ہیں۔ ولایت علی مجازی خدا ہونے کے باوجود یوں بے بسی اور نرمی سے بولتے تھے جیسے لفظوں سے سجدے کر رہے ہوں۔

وکالت شوخ اور غیر سنجیدہ تھا کھل کر قہقہے لگاتا تھا ہمیشہ آؤٹنگ رائیڈنگ اور شاپنگ کی باتیں کرتا تھا اور یہ شائستہ کو اچھا لگتا تھا۔ اس نے پہلی بار اسے مہنگی شاپنگ کرائی اور اس کی کلائی پکڑی تو وہ کلائی چھڑا کر بولی "ابھی نہیں پہلے تمہارے گھر میں مجھے اپنی پوزیشن

معلوم کرنے دو۔"

"تم یہ دیکھو میرے دل میں تمہارا کیا مقام ہے۔"

"سوری پہلے میری جگہ اپنے گھر میں بناؤ دل کا معاملہ جوانی تک رہتا ہے اور گھر کی چھت بڑھاپے میں بھی سایہ دیتی ہے۔"

وہ وکالت سے ہنستی بولتی تھی مگر دل کو صداقت لگتا تھا۔ سامنے ہوتا تھا تو نگاہوں میں بھر جاتا تھا کوئی اور نظر نہیں آتا تھا۔ وہ انتظار کرتی تھی کہ کبھی وہ وکالت کی طرح اسے چھیڑے گا لیکن کاروبار میں مصروف رہنے والے کو چھیڑنے کی فرصت ہی نہیں ملتی تھی اور وہ اس لیے مایوس نہیں ہوتی تھی کہ اس نے وکالت کو چانس میں یا التوا میں رکھا تھا۔ ناکامی کی صورت میں اس پر مہربان ہوسکتی تھی۔

وہ ہر بات اپنی دادی ماں کو بتا دیتی تھی۔ مگر یہ ایسا معاملہ تھا جسے چھپا رہی تھی لیکن بوڑھی تجربہ کار نگاہیں اسے تھالی کے بینگن کی طرح اِدھر کبھی اُدھر لڑھکتے دیکھ رہی تھیں اس نے ایک رات اسے سمجھایا۔ "بیٹی! ولایت علی سے میرا خون کا رشتہ نہیں ہے پھر بھی وہ ایک ماں کی طرح میری عزت کرتا ہے۔ خدا کے لیے میری عزت خاک میں نہ ملا۔"

"دادی ماں! میں کچھ بھی تو نہیں کر رہی ہوں۔"

"تیری ماں بھی یہی کہتی تھی اور بڑے آدمی کے پھیر میں آتی رہتی تھی۔ تو بھی یہی غلطی کر رہی ہے۔"

"زندگی رہی تو دیکھ لینا۔ میں ایسی غلطی نہیں کروں گی۔"

"زندگی اب نہیں رہی ہے۔ کسی دم کی مہمان ہوں اسی لیے نصیحت کرتی ہوں۔ یہ ولایت علی کا بڑا پن ہے کہ اس نے تجھے بیٹی بنایا ہے۔ نوکرانی بنا کر رکھتا تب بھی اس کا احسان ہوتا تو یہاں آتے ہی چاند تارے نوچ لینا چاہتی ہے۔ بیٹی! زمین پر واپس آجا۔"

بوڑھی نصیحتیں رینگتی ہیں کہ جوانی کے ساتھ دوڑ نہیں سکتیں۔ اس عالی شان محل میں پہنچ کر دادی ماں باہر کا کچرا دکھائی دیتی تھیں جو ہوا کی گستاخی سے اڑ کر چلا آتا تھا۔ وہ بیچاری سمجھاتے سمجھاتے تھک گئی۔ تھک کر ایک دن ہمیشہ کے لیے سوگئی۔ اس کی موت پر شاید وہ زیادہ آنسو نہ بہاتی لیکن آنسو ہمدردیاں جیتنے کا سب سے موثر ذریعہ ہوتے ہیں۔ وہ اس لیے رونے لگی کہ صداقت اور وکالت باری باری اس کے کمرے میں آتے تھے اور اس کی دلجوئی کرتے تھے۔ کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ جاتے تھے۔ آنسو پونچھنے کے لیے اپنا رومال دیتے تھے۔ کبھی کبھی ایسا وقت آتا ہے جب آنسوؤں کو سکہ رائج الوقت بنا کر منافع کمانے کا موقع ملتا ہے۔

ولایت علی اپنی بیگم کی ضد کے مطابق وکالت کو اپنے ساتھ مل میں لے جاتے تھے۔ بیگم سعدیہ نے خاص طور پر مطالبہ کیا تھا کہ بیٹے کو اکاؤنٹ کے شعبے میں رکھیں تاکہ ماں بیٹے کو کاروبار کی صحیح آمدنی کا علم ہوتا رہے لیکن وکالت حساب کتاب کی پیچیدگیوں سے

گھبرانے لگا۔ ادھر کی رقم ادھر ڈال کر اپنے جیب خرچ میں اضافہ کرنے لگا۔

ولایت علی نے بیٹے کو برا بھلا کہا۔ دھمکیاں دیں کہ اکاؤنٹ کے شعبے سے نکال دیں گے۔ دھمکیوں کے بعد اس نے سنبھلنے کی کوشش کی لیکن ہاتھ کھول کر خرچ کرنے کا عادی تھا۔ اس لیے اکاؤنٹ کے شعبے میں نہ چل سکا باپ نے اسے یارن کے شعبے میں بھیج دیا۔

ابتدا سے ولایت ٹیکسٹائل ملز کا کرتا دھرتا صداقت علی ہی تھا۔ وہ اپنی ذہانت سے منافع کی شرح بڑھاتا تھا۔ کاروباری معاملات میں باپ کا معتمد خاص تھا تمام چیکوں پر وہی دستخط کرتا تھا اور انکم ٹیکس والوں سے بھی وہی نمٹ لیا کرتا تھا باپ کو کسی معاملے میں فکر کرنے یا جھکنے نہیں دیتا تھا۔

اس نے کاروبار میں خود کو اس قدر مصروف کرلیا تھا کہ اپنی ذات سے بے خبر رہنے لگا تھا۔ اپنی عمر کے تقاضوں کو بھولنے لگا تھا کہ اس عمر میں پھول مہکتے ہیں اور جذبات بہکتے ہیں۔ شاعری کی کتاب کھلتی ہے اور خیالوں کی پریاں رات گزارنے آتی ہیں۔

شائستہ اس کے کمرے کی صفائی کرتی تھی۔ اس کے کپڑے دھوتی اور استری کرتی تھی۔ بستر کی چادریں اور کھڑکیوں دروازوں کے پردے بدلتی تھی۔

وہ سوچتا تھا کہ ایسا کون کرتا ہے جبکہ سوتیلی ماں کے ڈر سے کوئی ملازم اس کی خدمت کے لیے نہیں آتا تھا۔ صرف جمعہ کے دن وہ خود کسی ملازم کو بلا کر صفائی کرواتا تھا۔

اس محل نما کوٹھی میں بیگم سعدیہ کا رعب اور دبدبہ تھا۔ بیگم صاحبہ کے خوف سے کوئی صداقت کے کمرے میں بستر کی چادر بدلنے بھی نہیں جاتا تھا۔ اگر کوئی زیادہ خدمت گزاری دکھنا چاہتا تو بیگم سعدیہ اس کی چھٹی کردیتی تھیں لیکن شائستہ کی ابھی تک چھٹی نہیں ہوئی تھی۔

اس گھر میں شائستہ کو ایک ذمے داری سمجھ کر قبول کیا گیا تھا۔ اتنی بڑی آسانی سے ملازموں کی طرح وہاں سے نکالا نہیں جاسکتا تھا۔ بیگم سعدیہ اسے دھیمے لہجے میں سمجھاتی تھیں اور ایسے ہی لہجے میں دھیمی دھیمی سی دھمکیاں بھی دے ڈالتی تھیں۔

اس نے بچپن سے جوانی تک اپنی ماں کی سسکتی ہوئی زندگی اور موت دیکھی تھی اور اس حد تک سمجھ دار ہوگئی تھی کہ اس کے سمجھ داری فائدہ کمانے والی مکاری بن گئی تھی۔ وہ راتوں کو بیگم کا سر سہلا کر اور پاؤں داب کر سلادیتی تھی تاکہ پہرا دینے والی سے صبح تک نجات مل جائے۔ صداقت کا کوئی کام ایسے کردیتی تھی جیسے گھریلو فرائض ادا کرنے کے دوران اس کا بھی کام یونہی کردیا ہو۔

پھر اس نے بیگم سعدیہ کا دل جیتنے کے لیے ایک کامیاب چال چلی۔ صداقت رات کو دیر سے آتا تھا۔ صبح جلدی چلا جاتا تھا۔ شائستہ اس کے کمرے میں آتی تھی اس وقت وہ باتھ روم میں ہوتا تھا ادھر یہ اس کی ذاتی ڈائری پڑھ کر معلوم کرلیا کرتی تھی کہ پچھلے دن اس نے کتنی رقم بینک میں جمع کی ہے اور وہ کون کون سی کمپنی کے شیئرز خرید رہا ہے؟ یہ

معلومات وہ بیگم سعدیہ تک پہنچاتی تھی اور بیگم خوش ہو کر اسے گلے لگالیتی تھیں۔

صرف چند ماہ کے اندر وہ بیگم سعدیہ کی پکی سہیلی اور وکالت کے دل کی دھڑکن بن گئی۔ وکالت نے بڑی رازداری سے اس کا بینک اکاؤنٹ کھلوا دیا تھا۔ اس کے لیے قیمتی زیورات لاتا تھا۔ اس کے باوجود وہ صرف آنچل کی ہوا دیتی تھی اور وہ بدن کے شہر سے آنے والی ہواؤں میں سانس لینے کے لیے دیوانہ ہوتا جاتا تھا۔

ایک رات صداقت باہر سے آیا پھر اپنے کمرے کے سامنے پہنچ کر ٹھٹک گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر سے روشنی جھلک رہی تھی جبکہ وہ ہر رات کمرے میں آکر سوئچ آن کرتا تھا۔ وہ روشنی بتا رہی تھی کہ اندر کوئی موجود ہے۔

وہ سوچتا ہوا دروازے تک آیا پھر اسے ہاتھ لگایا تو وہ ایک راز کی طرح کھلتا چلا گیا۔ اندر کمرے کے وسط میں ایک چھوٹی سی میز پر ایک کیک رکھا ہوا تھا۔ اس پر لگی ہوئی موم بتیاں اس کے انتظار میں سلگ رہی تھیں اس نے قریب آکر دیکھا کیک پر لکھا ہوا تھا۔ "ہیپی برتھ ڈے ٹو یو۔ صداقت علی۔۔۔"

یہ خوشی کی بات تھی مگر اس کے چہرے سے ناگواری جھلکنے لگی۔ موم بتیوں کے ٹپکتے ہوئے آنسو بتا رہے تھے کہ انتظار کی آگ زیادہ دیر کی نہیں ہے چند لمحات پہلے یہاں سے کوئی گیا ہے۔

اس نے سر گھما کر دیکھا۔ وہ ایک ادائے ناز سے دروازے پہ کھڑی ہوئی مسکرا رہی تھی۔ پھر وہ دونوں ہاتھوں سے بے آواز تالیاں بجاتے ہوئے اس کے قریب آنے لگی۔ وہ اتنی رات کو اسے اپنے کمرے میں دیکھ کر پریشان ہوگیا۔ زندگی میں پہلی بار ایک جوان لڑکی ایسے وقت کمرے میں آئی تھی جب عزت اور شرافت کو پسینہ آجاتا ہے۔

اس نے سہمی ہوئی سرگوشی میں پوچھا "یہ سب کیا ہے؟ یہاں کیوں آئی ہو؟"

"آج آپ کی سالگرہ ہے سوچا آپ کو تو یاد ہوگی نہیں میں خود ہی مبارکباد دے دوں۔"

"اچھا اچھا ٹھیک ہے اب جاؤ۔"

"کہاں جاؤں؟"

"یہ کیا سوال ہے؟ اپنے کمرے میں جاؤ اور سوجاؤ۔"

"کیا بھوکی سو جاؤں؟"

وہ روٹی کے حوالے سے بول رہی تھی لیکن لہجے میں جو بھوک تھی اس کا مفہوم سمجھ میں آرہا تھا مگر وہ سمجھنا نہیں چاہتا تھا۔ انجان بن کر بولا "تم نے ابھی تک روٹی نہیں کھائی؟"

"آپ کا انتظار کررہی تھی سوچا سالگرہ کی خوشی میں آپ کے ساتھ۔۔۔؟"

اس نے ایسی جگہ فقرہ چھوڑا کہ "آپ کے ساتھ" کوئی بھی بات جوڑی جاسکتی تھی وہ

گھبرا رہا تھا دروازے کو دیکھ رہا تھا۔ دروازہ کھلا تھا کوئی بھی کھلے ہوئے لفافے کی طرح انہیں پڑھ سکتا تھا۔

وہ مطمئن تھی کہ کوئی نہیں آئے گا۔ ولایت علی وقت پر سونے اور وقت پر جاگنے کے عادی تھے۔ بیگم سعدیہ کو اس نے ایک خواب آور گولی دے کر ان کے پاؤں دبا کر آرام سے سلا دیا تھا۔ وکالت دو دن کے لیے سیرو تفریح کے لیے گیا ہوا تھا۔ وہاں کا گھر داماد اپنی بیوی صائمہ کے ساتھ کمرے میں بند ہو چکا تھا وہ گھر کے تمام افراد کا ٹائم ٹیبل اچھی طرح جانتی تھی۔ اس لئے مطمئن تھی۔

صداقت نے کہا "میری سالگرہ منانا چاہتی ہو تو گھر والوں کو بلاؤ۔"

"گھر والے نہیں آئیں گے۔"

"جب تم آسکتی ہو تو وہ کیوں نہیں آئیں گے؟"

وہ ہمدردی جتانے کے انداز میں بولی "کون آتا ہے آپ کے کمرے میں؟ کوئی ملازم بھی نہیں آتا۔ آپ کی تنہائی دیکھ کر میرا دل کڑھتا ہے۔"

"یہاں کوئی نہیں آتا اسی لیے تم کمرے کی صفائی کرتی ہو اور میری ہر چیز کو سلیقے سے اس کی جگہ رکھتی ہو۔"

وہ مسکرا کر بولی "میں تو چھپ کر آپ کی خدمت کرتی رہی آپ کو کیسے معلوم ہو گیا؟"

"بہت سے کام دکھانے کے انداز میں چھپ کر کیے جاتے ہیں اور چھپانے کے انداز میں دکھا کر کیے جاتے ہیں۔ میں بزنس مین ہوں بازار کا اتار چڑھاؤ دیکھ کر گاہکوں کے مزاج کو سمجھ لیتا ہوں۔ جاؤ کھانا لگاؤ میں چینج کر کے آتا ہوں۔"

وہ خوش ہو گئی جلدی سے کیک اٹھانے کے لیے آگے بڑھی۔ اس نے کہا "اسے رہنے دو میں لے آتا ہوں تم چلو۔"

وہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر آگئی۔ یہ پہلی کامیابی تھی تیر نشانے پر بیٹھا تھا۔ صداقت باہر سے کھا کر آنے کے باوجود اس کی خاطر دوبارہ کھانے پر راضی ہو گیا تھا۔ آج اصول پرست اپنا اصول بدل رہا تھا۔ آئندہ بھی اس کی خاطر بہت کچھ بدل سکتا تھا۔

دس منٹ کے بعد جب وہ کھانے کی میز پر پہنچا تو اس کے ہاتھوں میں کیک کی چھوٹی سی ٹرے تھی۔ اس نے وہ ٹرے شائستہ کے سامنے رکھ دی۔ اس کی تمام موم بتیاں بجھی ہوئی تھیں اور کیک کی سطح پر سے صداقت کا نام مٹا دیا گیا تھا۔

شائستہ نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ صداقت نے کہا "میں نے صرف اپنا نام مٹایا ہے یہ کھانے کی چیز ہے اس لیے اسے نہیں پھینکا۔"

"کیا اس لیے پھینک دیتے کہ میں نے اسے پیش کیا تھا؟"

"مجھ سے سوال نہ کرو ایک بات یاد رکھو میرا مزاج وکالت سے مختلف ہے مجھے ہیپی برتھ ڈے ٹو یو جیسی فضول خرچی اور عیاشی پسند نہیں ہے۔"

"میں آئندہ آپ کی پسند کا خیال رکھوں گی۔ آپ کیا چاہتے ہیں؟"

"میں چاہتا ہوں کھانے میں یا کسی اور سلسلے میں میرا انتظار کبھی نہ کرو۔ آج رات میرے کمرے میں آنے کی غلطی کی ہے آئندہ یہ غلطی دن کو بھی نہ کرنا۔"

یہ کہتے ہی وہ پلٹ کر چلا گیا۔ جب تک وہ جوان لڑکی اس کے کمرے میں تھی وہ عزت کے خیال سے کمزور بنا ہوا تھا اسے بہانے سے ڈائننگ روم میں بھیج کر شہ زور بن گیا تھا اس کے بدلے ہوئے تیور دیکھ کر شائستہ کو غلطی کا احساس ہوا۔ یہ کمرے سے نہ نکلتی تو وہ بھی بزدلی کے خول سے نہ نکلتا۔

ناکامی تو ہوئی تھی لیکن یہ جان گئی تھی کہ وہ کن حالات میں بزدل بن جاتا ہے صداقت کا خیال تھا کہ اس نے شائستہ کو اچھا سبق سکھایا ہے۔ اب وہ ایسی اوچھی حرکتیں نہیں کرے گی۔

وہ صبح اپنا کمرا کھلا چھوڑ کر جاتا تھا اس روز اس نے دروازے کو لاک کر دیا تاکہ عدم موجودگی میں شائستہ کمرے کے اندر نہ جائے۔ بند دروازہ دیکھ کر واپس چلی جائے۔ وہ کم از کم اس الزام سے محفوظ رہے گا کہ ایک جوان لڑکی کو اپنے کمرے میں بلاتا ہے۔ الزام لگانے والے یہ نہیں مانتے کہ لڑکی خود آئی ہے۔

وہ دوسری رات کچھ اور دیر سے آیا تاکہ وہ جاگتی ہو تو تھک کر سو جائے اس نے کوٹھی میں داخل ہو کر دیکھا۔ وہاں معمول کی طرح سناٹا تھا۔ سب سو رہے تھے۔ وہ ڈپلیکیٹ چابی سے دروازہ کھول کر آتا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا وہ نظر نہیں آرہی تھی۔ دل کو اطمینان ہوا اپنے کمرے کے سامنے آیا اور دروازے کے ہینڈل کو دبا کر دیکھا وہ صبح سے مقفل تھا۔ اس نے ایک گہری سانس لے کر اپنی چابی سے دروازے کو کھولا۔ اندر تاریکی تھی۔ اس نے سوئچ کو آن کیا تو کمرا روشن ہو گیا۔ وہ پلنگ پر لیٹی ہوئی تھی۔ اسے دیکھتے ہی دل دھک سے رہ گیا۔

اس نے گھبرا کر پوچھا "تم اندر کیسے آئیں؟"

وہ اٹھتے ہوئے بولی "جیسے پہلے آتی تھی۔"

"پہلے کب؟"

"بیگم امی مجھے اس کمرے کی صفائی کرنے سے منع کرتی تھیں۔ میں نے ایک موم میں اس دروازے کے کی ہول کا سانچہ بنا کر ایک چابی والے کو دیا تھا اس نے ڈپلیکیٹ چابی بنا دی تب سے میں چھپ کر آتی تھی کمرے کی صفائی کرنے کے بعد دروازے کو لاک کر کے چلی جاتی تھی۔"

"تم آخر چاہتی کیا ہو؟"

وہ قریب آئی اور اسکے منہ کی طرف ہاتھ بڑھا کر بولی۔ "آہستہ کوئی سن لے گا۔"

اس نے منہ کی طرف آنے والے ہاتھ کو ہٹا کر پوچھا "کس سے ڈر رہی ہو؟ ڈرتے تو

چور ہیں۔"

شائستہ نے آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔ "ابھی آپ کو ڈر نہیں لگ رہا ہے؟"

"ہاں تم یہاں ٹھہروگی تو میں بدنام ہو جاؤں گا۔"

"محبت میں بدنامی یک طرفہ نہیں ہوتی۔"

"محبت؟" اس نے پوچھا "یہ کیا بکواس ہے؟"

"ہاں میں آپ کے بغیر نہیں رہ سکتی۔"

وہ سختی سے بازو پکڑ کر اسے دروازے کی طرف کھینچتے ہوئے بولا "نکل جاؤ یہاں سے ورنہ ..."

وہ آگے کچھ نہ کہہ سکا دروازے پر بیگم سعدیہ کھڑی ہوئی تھیں صداقت کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی وہ خود کو چھڑا کر دوڑتی ہوئی بیگم سعدیہ کے پاس آئی۔ پھر قدموں میں گر کر رونے لگی۔

"یہ کیا بے حیائی ہے؟" بیگم سعدیہ نے چیخ کر پوچھا۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "بیگم امی! یہ زبردستی میرے کمرے میں گھس آئی تھی۔"

"کیا بکواس کرتے ہو میں نے دن کے وقت یہاں آکر دیکھا تھا دروازہ مقفل تھا کیا تم اسے لاک کر کے نہیں گئے تھے؟"

"جی ہاں۔ مگر...."

"مگر کیا؟ یہ لڑکی چابی کے سوراخ سے گھس کر اندر آگئی تھی... یا دروازہ توڑ کر آئی تھی؟"

"اس کے پاس میرے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی ہے۔"

شائستہ نے روتے ہوئے کہا "یہ جھوٹ ہے بیگم امی! آپ میری تلاشی لے لیں۔ میرے پاس چابی وابی کچھ نہیں ہے انہوں نے مجھے بہانے سے یہاں بلایا تھا۔"

وہ گرج کر بولا۔ "جھوٹ مت بولو میں تمہارا منہ توڑ دوں گا۔"

بیگم سعدیہ نے پوچھا۔ "کیا تم منہ توڑنے کی دھمکی دے کر اس کا منہ بند کر رہے ہو؟"

ولایت علی کی بھاری بھرکم آواز سنائی دی۔ "کیا ہو رہا ہے؟ اتنا شور کیوں مچا رہی ہو۔"

"آپ کے خاندان کی عزت کا ماتم کر رہی ہوں میں عین وقت پر یہاں نہ آتی تو اس غریب لڑکی کی عزت لٹ گئی ہوتی جسے آپ نے بیٹی بنا کر رکھا ہے۔"

ولایت علی نے شدید حیرت اور بے یقینی سے بڑے بیٹے کو دیکھا۔ چھوٹے بیٹے وکالت نے ان کے پیچھے آکر کہا "بھائی جان! میں نے یہ سنا تھا کہ آپ چھپے رستم ہیں لیکن ابا جان سے آپ کے خلاف کبھی کچھ نہیں کہا کیونکہ یہ صرف مجھے ہی آوارہ سمجھتے ہیں۔ آج تو کچھ کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے' آپ نے خود ہی ثبوت دے دیا ہے۔"

ولایت علی نے صداقت سے پوچھا "یہ تمہارے کمرے میں کیسے آئی؟"

صداقت سے پہلے ہی بیگم سعدیہ نے کہا "صاحبزادے فرماتے ہیں کہ یہ دروازہ لاک کر کے گئے تھے۔ اس کے باوجود شائستہ اندر پہنچ گئی تھی۔ جھوٹ بولنے کا بھی ایک سلیقہ ہوتا ہے اس دروازے کی دوسری چابی کسی کے پاس نہیں ہے۔ شائستہ کے پاس تو ہو ہی نہیں سکتی۔ آپ کہیں تو میں اس کی تلاشی لیتی ہوں۔"

"نہیں آج تک میرے گھر میں ایسی شرمناک بات نہیں ہوئی میں شرم سے مرا جارہا ہوں۔ شائستہ میرے ساتھ آؤ۔"

وہ حکم دے کر اپنے بیڈ روم کی طرف جانے لگے۔ بیگم سعدیہ نے شائستہ کو قدموں سے اٹھایا۔ پھر کہا "آؤ میرے ساتھ میں تمہیں انصاف دلاؤں گی۔"

وہ شائستہ کو لے کر بیڈ روم میں آئیں۔ ولایت علی صوفے پر سر جھکائے بیٹھے تھے۔ بیگم سعدیہ نے دروازے کو اندر سے بند کر دیا۔ پھر کہا "شائستہ ہم نے تمہیں بیٹی بنا کر رکھا ہے۔ یہاں تمہارے لیے کوئی کمی نہیں کی۔ آج بھی تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہوگی۔ جو بات ہے سچ سچ بولو۔ تم صداقت کے کمرے میں کیوں گئی تھیں؟"

وہ روتے روتے بولی "میں خود نہیں گئی تھی۔ انہوں نے بلایا تھا۔"

"کیوں بلایا تھا؟ اتنی رات کو تم ایک جوان لڑکے کے کمرے میں کیوں گئی تھیں؟"

"میں تو حکم کی بندی ہوں۔ کچن میں دودھ گرم کر رہی تھی انہوں نے آکر کہا .. سر میں درد ہو رہا ہے۔ ایک کپ چائے بنا کر لے آؤ۔ میں چائے لے کر گئی تو انہوں نے انہوں نے .."

وہ بات ادھوری چھوڑ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ کہنے لگی۔ "اگر۔ اگر آپ عین وقت پر نہ آتے تو میں کسی کو منہ دکھانے..."

وہ پھر بات ادھوری چھوڑ کر رونے لگی۔ ولایت علی شرم سے نظریں جھکائے ہوئے تھے اور کہہ رہے تھے "مجھے ڈوب مرنا چاہیے۔ میں نے جسے بیٹی بنایا ہے اب اس سے نظریں نہیں ملا سکتا۔ بیگم اسے لے جاؤ اور صداقت کو بلاؤ۔"

بیگم سعدیہ نے شائستہ سے کہا "آؤ میرے ساتھ۔"

وہ دروازہ کھول کر باہر آئیں۔ باہر وکالت اس کی بہن صائمہ اور بہنوئی حشمت کھڑے ہوئے تھے۔ بیگم نے صائمہ سے کہا۔ "شائستہ کو اپنے کمرے میں لے جاؤ اور وکالت تم صداقت سے جا کر کہو ابا جان بلا رہے ہیں۔"

شائستہ صائمہ کے ساتھ چلی گئی۔ وکالت بھائی کو بلانے گیا۔ بیگم نے شوہر کے پاس آکر کہا "گھر میں بیٹی داماد ہیں۔ صداقت نے ایسی حرکت کی ہے کہ داماد سے بھی نظریں نہیں ملائی جاتیں۔ میں صاف صاف کہہ دیتی ہوں۔ یہ لڑکا یہاں رہے گا تو میں اپنے بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی۔"

ولایت علی کسی گہری سوچ میں ڈوبے ہوئے تھے۔ بیگم نے کہا "خاموش رہنے سے کام نہیں چلے گا۔ آپ کو دو ٹوک فیصلہ کرنا ہوگا۔"

وہ جھنجلا کر بولے "میرا سر نہ کھاؤ۔ خاموش رہو۔ مجھے سوچنے دو۔"

"یہ تو میں جانتی ہوں کہ مجھے ہی خاموش کرائیں گے۔ آپ کا بیٹا رنگے ہاتھوں پکڑا گیا ہے۔ میرا منہ بند کرانے سے بات نہیں دبے گی۔ کیا آپ نے اسی دن کے لیے اسے بیٹی بنایا تھا؟"

ولایت علی سر اٹھا کر کچھ کہنا چاہتے تھے۔ پھر صداقت کو آتے دیکھ کر چپ ہوگئے۔ اٹھ کر کھڑے ہوگئے ادھر سے ادھر ٹہلتے ہوئے گئے۔ پھر بولے "جو ہوگیا اسے بحث کا موضوع بناتے ہوئے بھی شرم آرہی ہے۔"

"ابا جان! یہ مجھ پر الزام ہے میں نے اسے نہیں بلایا تھا وہ خود آئی تھی۔"

بیگم سعدیہ نے پوچھا "بند کمرے میں خود کیسے چلی آئی تھی جبکہ اس کے پاس دوسری چابی نہیں ہے۔ چوری کرنے والا سینہ زوری کرے کوئی بات نہیں لیکن ایسی شرمناک بات پر باپ سے بحث کرنا انتہائی بے شرمی ہے۔"

ولایت علی نے کہا "میں پہلے کہہ چکا ہوں۔ اس معاملے پر بحث نہیں ہوگی۔ ہم شریف لوگ ہیں اپنی زبان پر مرجاتے ہیں۔ اور اس زبان سے میں نے اسے بیٹی کہا ہے۔ اس لیے میرا فیصلہ ہے کہ وہ بدنام نہیں ہوگی۔ ہمارے گھر کی عزت بن کر رہے گی۔ اسے تمہاری شریک حیات اور میری بہو بنا کر ہی اس کے ساتھ انصاف کیا جاسکتا ہے۔"

صداقت نے چونک کر باپ کو دیکھا۔ پھر کہا "نہیں ابا جان! آپ غصے اور جوش میں غلط فیصلہ نہ کریں۔"

"غلط فیصلہ؟" وہ غصے سے بھڑک گئے۔ "کیا میں غلط فیصلے کرتا ہوں اتنا بڑا کاروبار اتنا بڑا خاندان کیا یہ غلط فیصلوں سے چل رہا ہے۔ میں تمہاری غلطی پر پردہ ڈالنا چاہتا ہوں تو کیا یہ غلط کر رہا ہوں؟"

"غلطی کیسی ابا جان؟ میں نے کچھ نہیں کیا ہے۔"

"وہ تمہارے کمرے میں تھی۔ اس کے بعد کسی سوال کی اہمیت نہیں ہے کہ وہ کیوں آدھی رات کو وہاں تھی؟ خود آئی تھی یا بلائی گئی تھی؟ غیرت کا تقاضا ہے کوئی سوال نہ کیا جائے۔ وہ شریف لڑکی ہے۔ صورت شکل کی اچھی ہے۔ دس جماعتیں پاس ہے۔ وہ ہماری بیٹی بن سکتی ہے تو بہو بھی بن سکتی ہے۔"

"سوری ابا جان! میں اس لڑکی سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔"

"تم میرے فیصلے سے انکار کر رہے ہو؟"

"جسے میں غلط سمجھتا ہوں اور اسے غلط کہتا ہوں تو آپ کو غصہ آتا ہے۔ آپ سمجھتے ہیں میں آپ کے فیصلے کو غلط کہہ رہا ہوں جبکہ یہ سارا معاملہ ہی غلط ہے۔"

بیگم سعدیہ نے کہا "کیا غلط غلط کی رٹ لگا رہے ہو۔ شادی کے لیے ہاں یا نا میں جواب دو۔"

"میں جواب دے چکا ہوں۔"

ولایت علی نے پوچھا "انکار کا انجام جانتے ہو؟"

"جانتا ہوں۔ باپ کے ہاتھوں بیٹے کا انجام کبھی برا نہیں ہوتا۔"

جواب ایسا تھا کہ باپ سوچ میں پڑ گیا۔ بیگم سعدیہ نے کہا۔ "آپ فلمی ڈائیلاگ سے متاثر نہ ہوں۔ آپ کو یہ سوچنا ہے کہ ایسے شرمناک واقعے کے بعد شائستہ یہاں کس حیثیت سے رہے گی؟"

ولایت علی نے بڑے ٹھہرے ہوئے انداز میں کہا "جب تک شائستہ کی شادی نہیں ہوگی اور وہ اس گھر سے رخصت نہیں ہوگی تب تک صداقت یہاں نہیں رہے گا۔"

بیگم سعدیہ خوشی سے کھلنا چاہتی تھیں۔ لیکن یہ مسکرانے کا بھی موقع نہیں تھا۔ وہ بولیں۔ "کیوں صداقت! کیا اب بھی باپ کے فیصلے سے انکار کرکے گھر سے نکلنا چاہوگے؟"

وہ بولا "ساری عمر کا جہنم خریدنے سے بہتر ہے آدمی گھر کی جنت سے نکل جائے۔"

"لچھے دار باتوں سے یہ حقیقت چھپا رہے ہو کہ تم نے باپ کی توہین کی ہے۔"

وہ کوئی جواب دیے بغیر تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر گیا اور نظروں سے اوجھل ہوگیا۔ ولایت علی کو یوں لگا جیسے بیٹا ہاتھوں سے چھوٹ کر گم ہوگیا ہو۔ وہ دل تھام کر صوفے پر گرنے کے انداز میں بیٹھ گئے۔ بعض اوقات آنکھیں ایسی باتوں کو تسلیم کرنے پر مجبور کردیتی ہیں جنہیں دل ماننے کو تیار نہیں ہوتا۔ ولایت علی نے دل سے بیٹے کو خطاوار تسلیم نہیں کیا تھا اور آنکھوں دیکھی سچائی سے بھی انکار نہیں کر رہے تھے۔

بیگم سعدیہ نے پاس آکر بیٹھتے ہوئے کہا "میں نے دنیا دیکھی ہے۔ یہ اچھی طرح جانتی ہوں کہ صداقت گھر سے جائے گا تو سوتیلی ماں بدنام ہوگی۔ میں کسی کے لینے میں ہوں نہ دینے میں پھر بھی میں ہی بری کہلاؤں گی۔ میری تو دعا ہے کہ شائستہ جلد سے جلد اپنے گھر کی ہو جائے تاکہ صداقت واپس آجائے۔"

انہوں نے کہا "جوان بیٹے کا گھر سے جانا اچھا نہیں ہے۔ تم چاہو تو بگڑی ہوئی بات بن سکتی ہے۔"

"کیا آپ چاہتے ہیں میں صداقت کو جانے سے روک لوں؟"

"ہاں، شائستہ خوبصورت ہے، سلیقہ شعار ہے، اس گھر کی بہو بننے کے لائق ہے۔ اس کی شادی وکالت سے ہو جائے تو میرے دل سے یہ بوجھ ہٹ جائے گا کہ اس گھر میں اُس کے ساتھ زیادتی ہوئی تھی۔ شادی کے بعد صداقت واپس آجائے گا۔"

وکالت دروازے کے پاس کھڑا سن رہا تھا اور خوش ہو رہا تھا۔ شائستہ نے اسے اتنا ترسایا تھا، اتنا ترسایا تھا کہ اسے حاصل کرنے کے لیے شادی کے سوا کوئی چارہ نہ تھا۔ وہ

سمجھ رہا تھا، والدین اسے بہو بنانے پر آمادہ نہیں ہوں گے لیکن آج ولایت علی نے اپنے ضمیر کی آواز پر یہ فیصلہ کیا تھا جو بڑے بیٹے کو قبول نہیں تھا اور چھوٹا تین بار قبول کرنے کو تیار تھا۔

بیگم سعدیہ نے بھڑک کر کہا "یہ آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ شائستہ کی شادی میرے وکالت سے؟ نہیں ہرگز نہیں۔"

"آخر کیوں نہیں؟"

"جس پر بڑے نے بری نیت ڈالی ہے وہ چھوٹے کی دلہن نہیں بنے گی۔"

"ہم گھر والے شائستہ کے لیے ایسا کہہ رہے ہیں تو باہر والے کیا کہیں گے۔ کیا ہم اسے بیٹی بنا کر اس کی زندگی برباد کر رہے ہیں؟"

"آپ کچھ بھی کہہ لیں میرا دل نہیں مانتا۔ میں اپنے بیٹے کے لیے اپنی پسند کی دلہن لاؤں گی۔"

وکالت نے دروازے کے پاس سے ماں کو ناگواری سے دیکھا۔ پھر وہاں سے زیر لب بڑبڑاتے ہوئے جانے لگا۔ اس کی بہن صائمہ اپنے کمرے کے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ اسے دیکھ کر بولی "کیا فیصلہ ہوا؟"

"بھائی جان کی چھٹی ہوگئی ہے شائستہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں۔"

وہ جانے لگا۔ صائمہ نے پوچھا "کہاں جا رہے ہو؟ کیا تمہیں بھی بدنام ہونا ہے؟"

"بدنامی ہوتی ہے تو ہو جائے، امی کا دماغ چل گیا ہے۔ ابا جان اسے میری دلہن بنانا چاہتے ہیں اور وہ انکار کر رہی ہیں۔"

وہ بڑبڑاتا ہوا زینے سے اترنے لگا۔ صائمہ سوچتی رہ گئی کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔ پہلے بڑا بدنام ہوا اب چھوٹا اس سے شادی کرنا چاہتا ہے۔ امی اور ابا جان کے درمیان بھی اسی سلسلے میں رسہ کشی ہو رہی ہے۔

وکالت علی ایک بیڈ روم میں آیا۔ شائستہ بیٹھی ہوئی سر جھکائے سوچ رہی تھی۔ اسے دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہوگئی۔ مسکرا کر رازداری سے بولی "کیسی ایکٹنگ کی؟"

"تمہارا جواب نہیں ہے۔ امی کی پلاننگ نے اور تمہاری اداکاری نے بھائی جان کی چھٹی کردی ہے۔ وہ یہاں سے بوریا بستر باندھ رہے ہیں۔ انہوں نے تم سے شادی سے انکار کردیا تھا۔"

"شادی؟"

"ابا جان نے فیصلہ کیا تھا کہ بھائی جان سے تمہاری شادی کرائی جائے۔"

"ہرگز نہیں۔" وہ وکالت کے بازو سے لگ کر بولی "میں تمہارے سوا کسی اور کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ تمہاری امی نے کہا تھا اگر میں صداقت کو ذلیل کر کے یہاں سے نکالنے

میں ان کا ساتھ دوں تو وہ مجھے منہ مانگا انعام دیں گی۔ میری شادی تم سے نہ ہوئی تو اپنی جان دے دوں گی۔"

"اوہ شائستہ! تم مجھے اتنا چاہتی ہو کہ میری خاطر جان دے سکتی ہو؟"

"میں اپنی زبان سے محبت کا دعویٰ نہیں کرتی۔ تم میرا ہاتھ پکڑنے کے چکر میں رہتے ہو۔ تمہاری محبت میں ہوس ہے میری محبت میں تمہارے لیے عقیدت اور عزت ہے۔"

"اوہ شائستہ! ایسے بولوگی تو میں قربان ہو جاؤں گا۔"

"صرف قربان ہونے سے ہم ایک دوسرے کے جیون ساتھی نہیں بن سکیں گے۔ تمہاری امی نے وعدہ کیا تھا کہ مجھے منہ مانگا انعام دیں گی۔ میں انعام میں تمہیں چاہتی ہوں۔"

"تمہاری محبت اور وفا دیکھ کر مجھے امی پر غصہ آرہا ہے۔ جب بھائی جان نے انکار کردیا تو ابا جان تمہاری شادی مجھ سے کرنا چاہتے تھے لیکن امی انکار کر رہی ہیں۔"

"تم نے انکار سنا اور کچھ نہیں کہا؟"

"کہوں گا۔ پہلے امی سے دو ٹوک فیصلہ کروں گا۔ پھر ابا جان سے کہوں گا کہ ان کا فیصلہ سر آنکھوں پر۔ میں شائستہ سے شادی کروں گا۔"

بیگم سعدیہ نے دروازے پر آکر غصے سے پوچھا "یہاں کیا کر رہے ہو؟ اپنے کمرے میں جاؤ۔"

"جا رہا ہوں۔ آپ یہ بتائیں ہماری شادی سے انکار کیوں کیا ہے؟"

"میں بہتر سمجھتی ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"میں بچہ نہیں ہوں۔ اپنی بہتری خوب سمجھتا ہوں۔"

بیگم سعدیہ نے گھور کر شائستہ کو دیکھا پھر پوچھا "تم اسے بہکا رہی ہو؟ بیٹے کو ماں سے چھیننا چاہتی ہو؟"

شائستہ نے کہا "ضروری نہیں ہے کہ بہو ماں سے اس کے بیٹے کو چھین لے۔ یہ اندیشہ ہر ماں کو رہتا ہے پھر بھی وہ بہو لاتی ہے۔"

ماں نے حکم دیا "وکالت اپنے کمرے میں جاؤ مجھے اس سے کچھ باتیں کرنے دو۔"

"بات تو میری ہی ہوگی۔ پھر میں کیوں جاؤں۔ یہ کیا ہے امی، کچھ دیر پہلے ہم سب ایک تھے۔ ہم نے بہترین پلاننگ پر عمل کیا اور کامیاب ہوئے پھر آپ یہ اتحاد کیوں توڑ رہی ہیں؟"

"یہ لڑکی ہمارے اتحاد کی بہت بڑی قیمت مانگ رہی ہے۔"

شائستہ نے کہا "آپ اسے قیمت کہہ رہی ہیں جبکہ میں محبت مانگ رہی ہوں۔ تم کیا سمجھتے ہو وکالت کیا میں قیمت مانگ رہی ہوں؟"

"نہیں تم وفا کی دیوی ہو محبت مانگ رہی ہو۔"

بیگم سعدیہ نے غصے سے کہا "ارے او دیوی کے دیوتا! کیوں اس کے فریب میں آرہا ہے؟"

وہ بولی "میں نے صداقت سے فریب کیا۔ بولو وکالت کس کی خاطر ایسا کیا۔"

"امی اس نے میری خاطر ایسا کیا ہے۔ اور آپ اسے فریبی کہتے ہیں؟"

"میں کہتی ہوں یہاں سے جاؤ مجھے بات کرنے دو۔"

وکالت نے شائستہ کو دیکھا۔ شائستہ نے کہا "تم ہی بتاؤ اگر میں تم سے وفا نہ کروں اور ابھی ابا جان کے سامنے سر پر کتاب رکھ کر حلفیہ کہہ دوں کہ صداقت بھائی فرشتہ ہیں۔ ان کے کمرے کی ڈپلیکیٹ چابی بیگم امی کے پاس ہے۔ انہوں نے مجھے کمرے میں پہنچا کر باہر سے دروازہ لاک کیا تھا... یہ حقیقت کھلے گی تو کیا ہوگا۔"

بیگم سعدیہ کو چپ سی لگ گئی۔ وہ سمجھ رہی تھیں کہ ابھی تو محض شائستہ دھمکی دے رہی ہے مگر وکالت سے رشتہ نہ ہوا تو وہ اس دھمکی پر عمل بھی کر سکتی ہے۔

شائستہ نے کہا "دیکھو وکالت میں فی الحال تمہاری خاطر ایسا نہیں کر رہی اگر کرنا چاہوں تو صداقت بھائی صبح یہاں سے جائیں گے اور صبح تک پھر بازی پلٹ جائے گی۔ میرا کیا ہے' باہر سے آئی باہر ہانک دی جاؤں گی مگر تمہاری پوزیشن کیا ہوگی؟ صداقت بھائی پر ابا جان کا اعتماد پہلے سے بڑھ جائے گا۔ اس گھر میں تمہارے ساتھ تمہاری امی کی پوزیشن بھی دو کوڑی کی رہ جائے گی۔"

بیگم سعدیہ گھور گھور کر اسے دیکھ رہی تھیں۔ یہ تو سوچا ہی نہیں تھا کہ ان کے ٹکڑوں پر پلنے والی اس انداز میں بلیک میل کرے گی۔ وہ ذرا نرم پڑ کر بولیں "تم نے تو نمک حرامی کی انتہا کر دی۔ کیا ہمارے احسانات کا بدلہ اس طرح دوگی؟"

"احسان تو محترم ولایت علی صاحب کا ہے انہوں نے مجھے بیٹی بنایا اور میں آپ کے ساتھ مل کر اس محسن کو دھوکا دے رہی ہوں۔ ان کے بے گناہ بیٹے کو گناہ گار بنا رہی ہوں۔ ہم سب نمک حرام ہیں۔ آپ بیوی بن کر ان کا نمک کھا رہی ہیں' میں لے پالک بن کر کھا رہی ہوں۔ ہم دونوں کیا کر رہے ہیں؟ اس کا جواب ہے آپ کے پاس؟"

"میں بحث نہیں کرنا چاہتی۔ اپنی اوقات میں رہ کر مجھ سے جو مانگو گی وہ تمہیں دوں گی۔"

"محبت خیرات مانگنے سے نہیں ملتی وہ تو دل سے دی جاتی ہے۔ کیوں وکالت؟"

وہ بولا "ایگزیکٹلی' بالکل ایک دم سچ ہے' درست ہے۔"

شائستہ نے کہا "ایک اور سچ سن لو۔ جب میں تمہاری شریک حیات نہیں بن سکوں گی تو صبح یہاں سے چلی جاؤں گی۔ پھر میرے جانے کے بعد صداقت بھائی واپس آجائیں گے۔"

بیگم یہ بھی نہیں چاہتی تھیں کہ وہ واپس آئے۔ وہ تو اسے گھر سے نکالنے کے بعد مل

سے بھی نکالنے کے چکر میں تھیں۔ شائستہ نے کہا "ایک اور سچ سن لو۔ میں اس گھر کی بہو بن کر رہوں گی تو ابا جان سے صاف صاف کہہ دوں گی کہ جس نے مجھ پر بری نیت کی میں اس کے ساتھ ایک چھت کے نیچے نہیں رہوں گی۔ یوں میرے یہاں مستقل رہنے سے اس کی واپسی کا چانس ختم ہو جائے گا۔"

وہ بڑے پتے کی بات کر رہی تھی۔ دور کی کوڑی لائی تھی اور ثابت کر دیا تھا کہ اس کی دوستی میں فائدے ہیں۔ دشمنی میں سراسر نقصان ہے لیکن وہ بے حد فائدہ مند ہونے کے باوجود بیگم سعدیہ کا دل دھڑکا رہی تھی۔ ایک ماں ایسی لڑکی کو بہو نہیں بناتی جو شادی سے پہلے ہی اس پر حاوی ہو رہی ہو اور بیٹے کو لٹو کی طرح گھما رہی ہو۔

بیٹے نے پوچھا "امی! آپ کیا سوچ رہی ہیں۔"

"میں سوچ رہی ہوں' تم چاہو تو اس لڑکی کو سمجھا سکتے ہو اگر یہ بہو بننے کی ضد نہ کرے تو میں ساری زندگی اس کی احسان مند رہوں گی' اس کی عزت کرتی رہوں گی۔ کہیں اس کی شادی کر کے اسے دو سو گز کے پلاٹ پر مکان بنوا کر دوں گی۔"

شائستہ نے کہا "میں مکان نہیں گھر چاہتی ہوں اور گھر محبت کرنے والے سے بنتا ہے۔ کیوں وکالت؟"

"ایگزیکٹلی بالکل ایکدم سچ..."

"بکواس مت کرو۔ تم تو ابھی سے اس کے میاں مٹھو بن گئے ہو۔"

شائستہ نے بیگم سے کہا "ایک بات اور آپ کی سمجھ میں نہیں آرہی۔ صداقت بھائی کی دلہن اس گھر میں آئے گی تو وہ اپنے شوہر کے حق میں آپ کی دشمن ہوگی۔ جس طرح صداقت بھائی آپ کے بیٹے کے حقوق چھین رہے ہیں اسی طرح بہو آپ کے حقوق چھیننا شروع کر دے گی۔ ایسے وقت میں ہی کام آؤں گی اور ایسے وقت آپ کو عقل آئے گی کہ کسی بھی بیٹے کی ماں کو بہو سے نجات ممکن نہیں ہے۔ آپ مجھ سے پیچھا چھڑا کر کسی دوسری کو گلے باندھ لیں گی۔ میں تو یہاں پہلے دن سے دوست ہوں۔ آپ کی ہر سازش میں ساتھ رہتی ہوں۔ اس کی کیا ضمانت ہے کہ جسے آپ پسند کر کے لائیں گی وہ ہر معاملے میں آپ کا ساتھ دے گی۔"

بیگم اسے غور سے دیکھ رہی تھیں۔ اس کی باتیں دل کو لگ رہی تھیں۔ انہوں نے پوچھا "تم اتنی ہی وفادار ہو تو میرے بیٹے کو کیوں بہکا رہی ہو؟"

"آپ جسے بہکانا کہتی ہیں' وہ میری محبت ہے۔ آپ میرا حق مجھے دے کر دیکھیں میں دشمن دکھائی نہیں دوں گی کتا وفادار ہوتا ہے لیکن منہ سے روٹی چھینو تو وہ بھی کاٹنے کو دوڑتا ہے۔"

وہ سر جھکا کر سوچتی ہوئی وہاں سے جانے لگیں۔ جب وہ کمرے سے باہر جا کر نظروں سے اوجھل ہو گئیں تو وکالت نے کہا "کمال ہے تم نے امی کو سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"اس میں کمال کی کیا بات ہے۔"

"یہ بات ہے کہ امی ابا جان جیسے سخت اصول پرست بزنس مین کو سوچنے کا بھی موقع نہیں دیتیں۔ اپنے حق میں فیصلے کراتی رہتی ہیں۔ آج تم نے اپنے حق میں فیصلہ کرنے کے لیے انہیں سوچنے پر مجبور کر دیا ہے۔"

"میں تمہاری امی کی بہت عزت کرتی ہوں۔"

"میں جانتا ہوں۔"

"مگر وہ کام نکلتے ہی مجھے دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکنا چاہتی ہیں۔"

"میں دیکھ رہا ہوں۔ سمجھ رہا ہوں۔"

"صرف سمجھتے ہی رہو گے یا مجھے دلہن بنانے کے لیے کچھ کرو گے؟"

"تم بتاؤ مجھے کیا کرنا چاہیے۔"

"ماں کو یقین دلاؤ کہ تم مجھ سے زیادہ انہیں چاہتے ہو۔"

"تم سے زیادہ ماں کو؟ یعنی کہ تم سے زیادہ؟"

ہاں کہنے میں کیا حرج ہے یہ تو ہمارا خدا جانتا ہے کہ ہم ایک دوسرے کو جان سے زیادہ چاہتے ہیں۔"

"ہاں خدا جانتا ہے امی نہیں جانتیں۔ اس لیے امی سے کہوں گا کہ انہیں زیادہ چاہتا ہوں لیکن اس سے کیا ہوگا؟"

"اس سے ماں کے دل کو اطمینان ہوگا۔ پھر تم کہنا کہ ہماری بہت سی کمزوریاں شائستہ کے ہاتھوں میں ہیں۔ اس سے شادی کرنے ہی میں فائدے ہیں۔ شادی کر کے شائستہ کو فالتو سامان کی طرح کسی اسٹور روم میں ڈال دو گے۔"

"ایسا کہوں تو میرا منہ جلے۔ میں تمہیں اس گھر کی ملکہ بنا کر رکھوں گا۔"

"میں جانتی ہوں مگر امی کو بہلاؤ انہیں راضی کرو۔ کھانا پینا چھوڑ دو پھر دیکھو وہ ایک ٹانگ پر راضی ہو جائیں گی۔"

"اچھا جا رہا ہوں ایک بار اپنا ہاتھ پکڑنے دو۔"

وہ ہاتھ پیش کرتے ہوئے بولی "شام سے بڑی تکلیف ہے آج صرف چھو لو کل پکڑ لینا"

اس نے ہاتھ کو چھو کر پوچھا "پتا نہیں وہ کل کب آئے گی؟"

"جب تمہاری امی راضی ہو جائیں گی۔"

لاحاصل بدن کے ایک حصے کو چھو کر اس کے اندر بجلی سی دوڑ گئی۔ وہ حوصلوں سے بھر گیا۔ ابھی محض ایک کرن ملی تھی پورا آفتاب نہیں نکل رہا تھا۔ ماں سے لڑنے جھگڑنے کے بعد ہی وہ آفتابی بدن مل سکتا تھا۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا کمرے سے باہر گیا شائستہ نے دروازہ بند کر لیا۔

دوسری صبح چھ بجے صداقت نے اپنا تمام ضروری سامان سمیٹ کر کار کی ڈگی میں رکھا۔ پھر انٹر کام پر بیگم سعدیہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا "میں جا رہا ہوں اگر آپ چاہتی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے چلا جاؤں تو میری ایک شرط ہے۔"

"بولو میں سن رہی ہوں۔"

"شائستہ کی شادی وکالت سے کر دیں۔"

"مجھے تمہارا مشورہ نہیں چاہیے۔"

"یہ مشورہ نہیں آپ جیسی سوتیلی ماں کے لیے دھمکی ہے۔ اگر میں نے ابا جان کا فیصلہ مان کر شادی کر لی تو آپ بہت خسارے میں رہیں گی۔ پہلا خسارہ یہ کہ میرے دامن پر لگایا ہوا داغ دھل جائے گا پھر سے ابا جان کا چہیتا بیٹا بن جاؤں گا... پھر اس گھر سے آپ میرے قدم نہیں اکھاڑ سکیں گی بلکہ شائستہ میری دلہن بن کر آپ کے قدم اکھاڑے گی اور مل میں وکالت کو میں پچھاڑتا رہوں گا۔"

بیگم سعدیہ کے ہوش اڑ گئے۔ شائستہ جیسی تیز طرار لڑکی صداقت کی شریک حیات بنے گی تو تمام سوتیلوں کو ناچ نچادے گی۔ عقل چیخ چیخ کر سمجھانے لگی کہ وہ مہرہ صداقت کی بساط پر نہیں جانا چاہیے۔

انہوں نے پچھلی رات شائستہ کو صداقت کے کمرے میں پہنچا کر اس دروازے کو دوبارہ باہر سے لاک کر دیا۔ ان کا خیال تھا دونوں جوان ہیں۔ بہکنے لگیں گے تو وہ ولایت علی کو یہ تماشا دکھائیں گی لیکن توقع کے خلاف صداقت نہ بہکا نہ اگلی کو بہکنے دیا۔ جس کے نتیجے میں بیگم سعدیہ صرف صداقت کو بدنام کر سکیں۔ شائستہ کو پارسا ثابت کرنا پڑا۔ اگر حالات یوں نہ ہوتے تو شائستہ کو بھی بدنام ہو کر اس گھر سے نکلنا پڑتا۔

انہوں نے ایسی سازش کرتے وقت یہ نہیں سوچا تھا کہ ولایت علی ضمیر کی آواز پر ایک لاوارث لڑکی کو بہو بنانے پر آمادہ ہو جائیں گے بڑا راضی نہیں ہوگا تو اسے چھوٹے کی شریک حیات بنانا چاہیں گے۔ اب تو بات کہیں سے کہیں پہنچ گئی تھی۔ صداقت نے شائستہ کو قبول کرنے کی دھمکی دے دی تھی۔ اس تمام گھریلو سیاست میں شائستہ نے اہمیت اختیار کر لی۔ وہ جس کی جھولی میں جاتی اسی کو اقتدار حاصل ہوتا۔

صداقت نے کہا "میں جا رہا ہوں۔ مجھے شام تک دفتر میں یہ خوشخبری ملنا چاہیے کہ آپ اسے اپنی بہو بنا رہی ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو میں کبھی واپس نہیں آؤں گا جہاں شائستہ رہے گی اس چھت کے نیچے میں نہیں رہوں گا۔"

"میں اسے بہو بنالوں گی لیکن یہ کیسی ذلالت ہے کہ تم میرے بیٹے کو مل کے کسی شعبے میں ٹکنے نہیں دیتے کیا اسے اپنا محتاج بنا کر رکھنا چاہتے ہو؟"

"جس روز وہ شائستہ کو دلہن بنائے گا اسی دن میں ابا جان سے کہوں گا کہ صوبہ سندھ میں سپلائی ہونے والے تمام مال کا حساب کتاب اور وہاں کی تمام آمدنی وکالت کے نام کر دی

جائے۔"

وہ خوش ہوکر بولیں "اگر ایسا ہوجائے تو جھگڑا کس بات کا ہوگا؟ تمام جھگڑے ختم میں دو دن کے اندر اسے اپنی بہو بناؤں گی تم اپنی زبان پر قائم رہنا۔"

صداقت رابطہ ختم کرکے چلا گیا۔ بیگم دوڑی دوڑی ولایت علی کے کمرے میں آئیں۔ وہ باتھ روم میں تھے۔ یہ دروازہ پیٹ کر بولیں۔ "آپ کہاں ہیں؟ کیا کر رہے ہیں؟"

اندر سے آواز آئی "لاحول ولاقوۃ آدمی ٹائلٹ میں اور کیا کرتا ہے۔"

"ایک خوشخبری ہے فوراً" آئیں۔"

"ایک تو ویسے ہی قبض کی شکایت ہے اوپر سے فوراً" بلا رہی ہو۔ خوشخبری وہیں سے سناؤ۔"

"میں شادی کے لیے راضی ہوں۔"

"ہوش میں تو ہو کس سے شادی کروگی۔"

"توبہ ہے میں شائستہ اور وکالت کی شادی کی بات کر رہی ہوں۔"

"واقعی! تم نے خوش کردیا۔"

"لیکن یہ شادی دو دن کے اندر ہوگی۔"

"ایسی جلدی بھی کیا ہے۔"

"میں چاہتی ہوں میرا بیٹا اپنے پیروں پر کھڑا ہوجائے۔"

"تمہیں کیسے پتا چلا کہ وہ شادی کے دن کھڑا ہوجائے گا۔"

"کیا آپ تمام باتیں ٹائلٹ میں بیٹھ کر سمجھنا چاہتے ہیں؟"

تھوڑی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ انہوں نے باہر آکر کہا "تم عورتوں کی کوئی کل سیدھی نہیں ہے۔ یہی بات کل مان لیتیں تو میں صداقت کی غلطی کو درگزر کردیتا پتا نہیں وہ ہے یا جاچکا ہے۔"

"وہ جاچکا ہے۔ میں وکالت کی بات کر رہی ہوں آپ صداقت کا ذکر چھیڑ رہے ہیں۔"

"وکالت کی بات ہوچکی ہے۔ تم اس کی شادی کر رہی ہو اور دو دن میں کر رہی ہو تاکہ وہ ذمے داریوں کو سمجھے اور کاروبار میں دلچسپی لے۔"

"یہی چاہتی ہوں مگروہ آپ کا لاڈلا میرے لاڈلے کو مل میں برداشت نہیں کرے گا۔"

"نہ کرے میں وکالت کی شادی کے بعد اس کا حصہ الگ کردوں گا۔"

"حصہ برابر ہونا چاہیے ایک کا زیادہ اور دوسرے کا کم نہیں ہونا چاہیے۔"

"تم تو پیچھے پڑ جاتی ہو اسے پہلے پہل جو حصہ دیا جائے گا اس میں وہ منافع دکھائے خود کو زیادہ کا اہل ثابت کرے تو اسے زیادہ ملے گا۔"

بیگم نے سوچا اتنی سازشوں اور بھاگ دوڑ کے بعد صداقت گھر سے چلا گیا اور وکالت کو کچھ حصہ مل رہا ہے۔ ابتدا میں یہ بہت ہے۔ آگے اور بھی راستے کھلتے جائیں گے۔

دو دن بعد شادی نہ ہوسکی، دو ہفتے بعد ہوگئی صداقت نے اپنے ابا جان سے یہ طے کرلیا کہ وہ وکالت کی فیملی سے دور رہے گا۔ اس کوٹھی میں کبھی نہیں جائے گا۔ ایک باپ کے دو بیٹے الگ الگ گھر آباد کریں گے۔ ولایت علی نے کہا "یہی مناسب ہے میں آئے دن کے جھگڑوں سے تنگ آگیا ہوں۔ تم دونوں بھائی خواہ کتنی ہی دور رہو تمہاری اولادیں میرے ہی شجرے سے پھوٹنے والی شاخیں کہلائیں گی۔ تمہیں بھی اب جلد ہی گھر بسانا چاہیے۔"

"میں تو اپنی شادی کاروبار سے کرچکا ہوں۔ اس سے فرصت ملے گی تو ضرور گھر بسانے والی شادی کروں گا۔"

بیگم سعدیہ قدرے خوش تھیں قدرے ناخوش یوں بھی انسان ہر حال میں خوش نہیں رہتا۔ بیگم کی مسکراہٹوں کے پیچھے شائستہ کا ناقابل برداشت وجود چرکے لگا رہا تھا۔ یہ ایک آزمودہ گھریلو ٹوٹکا ہے کہ ابلے ہوئے انڈے کا چھلکا دھاگے سے باندھ کر دیوار پر لٹکا دیا جائے تو اس کمرے میں چھپکلی نہیں آتی۔ اگرچہ قیمتی پردوں اور مہنگی تصویروں سے سجی ہوئی دیواروں پر انڈے کے چھلکے بہت ہی برے لگتے ہیں تاہم چھپکلیوں سے نجات مل جاتی ہے۔ بیگم نے بھی صداقت سے نجات حاصل کرنے کے لیے شائستہ کو اپنے بیٹے کے گلے میں لٹکا دیا تھا۔ وہ آنکھوں میں کھٹکتی تھی اور کلیجے میں چبھتی تھی پھر بھی اسے برداشت کرنا پڑتا تھا۔

ولایت علی نے ایک صوبے میں اپنا مال سپلائی کرنے کی ذمے داری اور اس مال کی تمام آمدنی وکالت کے نام لکھ دی۔ شائستہ نے اس سے کہا "خود کو اہل ثابت کرنے کے لیے تمہیں وقت کے مطابق کام اور آرام کرنا ہوگا۔ اگر کام کے وقت دوستوں سے ملاقات کروگے یا تفریح کے لیے جاؤگے تو میں تم سے ناراض ہوجاؤں گی۔"

نئی دلہن کو ناراض نہیں کیا جاتا۔ اس نے وعدہ کیا کہ مستقل مزاجی سے کاروبار کرے گا۔ لیکن وہ وعدوں سے بہلنے والی نہیں تھی۔ یہ خوب سمجھتی تھی کہ بیوی پرانی ہوتی جائے تو شوہر اسے گھر کی چار دیواری تک محدود کردیتا ہے باہر کے معاملات میں اسے مداخلت کرنے نہیں دیتا۔ وہ ایسا وقت نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ اس لیے مختلف طریقوں سے اسے اپنا عادی بنانے لگی۔

کوئی چیز روز ملتی رہے تو اسے دیکھتے دیکھتے اکتاہٹ سی ہونے لگتی ہے اور وہ تھوڑی ملے پوری پلیٹ نہ ملے۔ ایک چمچہ ملے۔ پوری بوتل سامنے ہو اور ایک گھونٹ نصیب ہو تو اس کی ہوس اس کی طلب بڑھتی رہتی ہے۔ یہ تو انسانی فطرت ہے، بچے کو مقررہ مقدار میں دودھ دیا جائے اور بے وقت نہ پلایا جائے تو بچہ نارمل اور تندرست رہتا ہے اور ابتدا ہی سے بچے کو بے وقت کی بھوک برداشت کرنے کی عادت ہوتی جاتی ہے۔ شائستہ بلا کی ذہین تھی، وہ شادی شدہ بچے کو ایسی ہی حکمت عملی سے اپنا عادی بنا رہی تھی۔

وکالت چند ماہ تک ڈیوٹی کا پابند رہا۔ صبح مل کے دفتر میں جاتا تھا۔ شام کو واپس آتا

تھا۔ اس نے بڑی حد تک کاروبار کو سمجھتے ہوئے سابقہ منافع کو برقرار رکھا تھا۔ اگر یہی مستقل مزاجی ہوتی تو آئندہ منافع بڑھ سکتا تھا لیکن وہ کچھ غیر سنجیدہ ہونے لگا شائستہ اکثر اس سے فون پر گفتگو کرتی تھی۔ پھر کبھی کبھی چپراسی فون اٹینڈ کرنے لگا۔ کبھی معلوم ہوتا۔ صاحب بینک گئے ہیں، کبھی خبر ملتی کسی پارٹی سے ملنے گئے ہیں، کبھی وہ خود فون پر ملتا تھا اور بے حد مصروفیات اور الجھنوں کا ذکر کرتا تھا۔ شائستہ نے کہا "کل سے میں بھی دفتر جایا کروں گی۔"

"تم وہاں کیا کرو گی؟"

"کام کروں گی۔ تمہارا بوجھ ہلکا کروں گی۔ مجھے اپنی تعلیم سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔"

"نہیں، یہ مناسب نہیں ہے۔ ولایت علی خان کی بہو دفتر میں آکر کام کرے گی تو لوگ کیا کہیں گے؟"

"میں ملازمت کروں گی تو باتیں بنائی جائیں گی اور اپنے میاں کا کاروبار سنبھالوں گی تو وہ مثالی عورت کہلاؤں گی جو اپنے شوہر کی ترقی کے راستوں پر شانہ بشانہ رہتی ہے۔"

"تم تو لاجواب کردیتی ہو لیکن یہ مجھے ذاتی طور پر اچھا نہیں لگتا۔"

"شروع میں یہ کاروبار بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ ابتدا میں اکثر باتیں بوجھ لگتی ہیں۔ پھر اس بوجھ کا احساس رفتہ رفتہ ختم ہوجاتا ہے تم اپنے ساتھ نہیں لے جاؤ گے تو میں پیچھے پیچھے چلی آؤں گی۔"

"مجھے یہ ضد پسند نہیں ہے تمہیں گھر سنبھالنا چاہیے۔"

"پہلے شوہر کو سنبھالنا چاہیے۔"

"کیا میں بھٹک رہا ہوں؟"

"اگر نہیں بھٹک رہے ہو گے تو پھر گھر سنبھالنا شروع کروں گی۔"

"میں نے ایک بار کہہ دیا ہے تم دفتر نہیں جاؤ گی۔"

وہ غصے سے پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ وکالت نے پرواہ نہیں کی۔ وہ رات کو کھانے کی میز پر نہیں آئی۔ بیگم سعدیہ نے کہا "تم نے اسے سر پر چڑھا لیا ہے۔ خبردار! کھانے کے لیے اس کی خوشامد نہ کرنا۔

اس نے بھی غصے میں فیصلہ کیا تھا کہ اسے نہیں منائے گا۔ پھر یاد آیا کہ آج جمعرات ہے۔ بھری مراد ہے۔ شب خیرات ہے۔ اگر یہ رات تنہائی میں گزرے گی تو پھر وہ اگلی جمعرات تک خیرات نہیں دے گی۔

اس کی اس حرکت پر وہ کڑھتا تھا۔ اسے سمجھاتا تھا، مناتا تھا، لڑتا جھگڑتا تھا۔ پھر تھک ہار کر سو جاتا تھا۔ اس نے انتقاماً سابقہ گرل فرینڈز سے دوستی کی تجدید کی۔ کاروباری مصروفیت کے وقت بے وقت کی مصروفیت میں پڑا۔ کچھ آرام آیا، کچھ شائستہ کی ضرورت ماند پڑی۔ لیکن یہ ایسی ہی بات تھی جیسے اسپرو کی ٹکیہ سے عارضی طور پر سر کا درد جاتا

ہے۔ پھر کسی وقت درد جکڑ لیتا ہے۔ یہی بات سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ شائستہ دور رہ کر کیسے جکڑ لیتی ہے؟

اسے یہ تاریخی حقیقت یاد نہیں آتی تھی کہ آدمی ہزار ہا اشجار کے میوے کھالے پھر بھی شجر ممنوعہ کا بھوکا رہتا ہے۔ جو چیز دسترس سے دور رکھی جائے وہ انسان کو کھینچتی ہے۔ ایسی کتنی ہی سمجھ دار بیویاں ہیں جو شوہروں کو اپنی طرف کھینچنا جانتی ہیں اور بڑھاپے میں بھی انہیں سدا بہار نظر آتی ہیں۔

وہ کھانے کی میز سے اٹھ کر جانے لگا ماں نے پوچھا "کیا جورو کے پاس جارہے ہو؟"

"ہاں آج جمعرات ہے۔" وہ بے خیالی میں بول گیا۔

بیگم سعدیہ نے حیرانی سے دیدے پھاڑ کر پوچھا "ارے جمعرات ہے تو کیا ہوا؟ کیا تو فقیر کی اولاد ہے؟"

وہ فقیر کی اولاد ڈائننگ روم سے باہر جاچکا تھا۔ بیگم کی سمجھ میں نہیں آسکتا تھا کہ وہ کیسے جذب کے عالم میں مجذوب کی طرح جمعرات کی کرامات بیان کرگیا ہے۔"

جب وہ واپس آیا تو اس کے ساتھ شائستہ تھی۔ اس نے ڈائننگ ٹیبل کے پاس شائستہ کو بیٹھنے کے لیے کرسی پیش کی۔ پھر خود بیٹھتے ہوئے کہا۔ "امی! میں نے سوچا ہے اپنی شائستہ کی تعلیم سے فائدہ اٹھایا جائے۔ کل جمعہ ہے پرسوں سے یہ میرے ساتھ دفتر جایا کرے گی۔"

بیگم نے گھور کر کہا "لڑکے! تھوڑی دیر پہلے کہہ رہا تھا۔ یہ کسی قیمت پر نہیں جائے گی۔ اپنی زبان سے کہہ رہا تھا' یہ سر پر چڑھ گئی ہے اور اتنی جلدی پھر سر پر چڑھا لایا۔"

شائستہ نے پوچھا "وکالت! سر میں کیا ہوتا ہے؟"

"بھیجا ہوتا ہے۔"

وہ بولی "یہاں سب کچھ ہے بھیجا نہیں ہے۔"

بیگم سعدیہ کڑک کر بولیں "تم مجھے طعنہ دے رہی ہو کہ میرے سر میں بھیجا نہیں ہے؟"

"میں کہہ رہی تھی یہاں گوشت وغیرہ کا سالن ہے بھیجا فرائی نہیں ہے۔ آپ تو عرصہ سے جانتی ہیں میں بڑے شوق سے بھیجا کھاتی ہوں۔"

وہ ایک جھٹکے سے اٹھ کر غصہ سے تلملاتی ہوئی جانے لگیں۔ ایسے وقت یہ ناز ہوتا ہے کہ بہو کے سامنے بیٹا روکے گا۔ لیکن پیچھے سے بیٹے کی بڑبڑاہٹ سنائی دی۔ "سمجھ میں نہیں آتا امی! شائستہ کے بھیجا کھانے سے آپ چڑتی کیوں ہیں؟"

وہ پلٹ کر بولیں "یہ تیرا بھیجا تو کھا چکی ہے پھر تیری سمجھ میں کیا خاک آئے گا۔"

بیگم کو رونا آرہا تھا لیکن وہ بہو کو آنسو دکھا کر شکست کا اعتراف کرنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس لیے اپنے کمرے میں جاکر دروازے کو بند کرکے رونے لگیں۔

ایک بار کاتب تقدیر نے کہا "مانگ کیا مانگتا ہے بلندی یا طوالت؟"

انسان نے خوب سوچ سمجھ کر کہا "بلندی۔"

تب سے انسان کو مسرتوں کی بلندیاں ملتی ہیں مسرتوں کی طوالت نہیں ملتی۔ بیگم سعدیہ

کی بھی یہ بدبختی تھی۔ انہیں تمام مسرتیں حاصل ہوئی تھیں۔ سوتیلا ہمیشہ کے لیے چلا گیا تھا۔ سگا کاروبار سے لگ گیا تھا۔ وہ ایئرکنڈیشنڈ کوٹھی ائرکنڈیشنڈ کاروں اور ائرکنڈیشنڈ مسرتوں کی تجوری میں رہتی تھیں لیکن ان مسرتوں کو شائستہ کاٹتی رہتی تھی۔

دوسری صبح ناشتے کی میز پر ولایت علی بھی تھے۔ جمعے کو مل بند رہتی تھی۔ اس لیے سب ہی ایک میز پر جمع ہوکر ہنستے بولتے تھے۔ ان کی بیٹی صائمہ اور داماد حشمت بھی شریک رہتے تھے۔ اس روز شائستہ نے ولایت علی سے کہا "ابا جان! آپ اصولوں کے پابند ہیں۔ آپ نے کتنوں کی زندگی کو خوشحال بنادیا ہے۔ مجھے بھی زمین سے آسمان تک پہنچا دیا ہے لیکن اپنی بیٹی اور داماد کے لیے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔"

چونکہ یہ بات بیگم سعدیہ کی بیٹی کے حق میں تھی اس لیے وہ دل میں خوش ہوئیں۔ ولایت علی نے کہا "بیٹی! میں نے داماد صاحب کو مل میں بہت بڑا عہدہ دیا۔ وہاں یہ حضرت ناکام رہے۔ کاروبار کے لیے خاصی بڑی رقم دی۔ اسے انہوں نے ڈبو دیا۔ اب میں کیا کرسکتا ہوں؟ یہی آخری صورت ہے کہ یہ یہاں پڑے رہیں۔"

بیگم سعدیہ نے کہا "غلطی سب سے ہوتی ہے۔ ہمارے داماد سے بھی ہوگئی۔ آپ ایک بار پھر آزما کر دیکھیں۔"

شائستہ نے کہا "شادی کے بعد بیٹیاں سسرال میں اچھی لگتی ہیں۔ صائمہ تین برس سے میکے میں ہے۔"

بیگم نے تڑخ کر کہا "ہے تو کیا ہوا؟ یہ اس کے باپ کا گھر ہے۔"

شائستہ نے پوچھا "صائمہ کے شوہر کا گھر کہاں ہے؟ میں فخر سے کہتی ہوں کہ یہ میرے شوہر کا گھر ہے۔ کیا آپ کی بیٹی کو یہ فخر حاصل ہے؟ اگر نہیں ہے تو آپ نے اور ابا جان نے بیٹی سے یہ فخر چھین لیا ہے۔"

وکالت نے ڈانٹ کر کہا "تم ابا جان کی شان میں گستاخی کر رہی ہو۔"

بیگم نے بیٹے سے کہا "تم نے اسے اتنا سر پر چڑھایا ہے کہ اب یہ تمہارے باپ کو طعنے دینے لگی ہے۔"

ولایت علی نے گرج کر کہا "خاموش رہو۔ شائستہ نے گالی نہیں دی ہے۔ یہ جو کہہ رہی ہے اس پر غور کرو۔ ہماری بیٹی کو شادی کے تین سالوں میں کیا حاصل ہوا ہے۔ کیا یہ رشتے داروں کو اور اپنی سہیلیوں کو فخر سے کہہ سکتی ہے کہ اس کا اپنا ایک گھر ہے؟ کیا یہ کہہ سکتی ہے کہ اس کا شوہر بہت بڑا افسر یا معروف بزنس مین ہے؟"

بیگم نے کہا "نہیں ہے تو آپ بنا سکتے ہیں۔"

شائستہ نے کہا "نہیں بنا سکتے جب تک حشمت بھائی پر ذمے داریوں کا بوجھ نہیں پڑے گا' یہ محنت نہیں کریں گے۔ سسرال سے محنت کے بغیر رقم ملتی رہے گی تو پھر یہ کوئی کام

کیوں کریں گے؟"

حشمت نے کہا "بھابی! آپ میری انسلٹ کر رہی ہیں۔"

"اگر محنت مزدوری کی بات کرنے سے انسلٹ ہوتی ہے تو وکالت کو بھی کام نہیں کرنا چاہیے گھر میں بیٹھ کر اباجان کی کمائی کھانا چاہیے۔"

وکالت نے کہا "شائستہ کی باتیں پہلے بری لگتی ہیں۔ پھر دل پر اثر کرتی ہیں۔ پہلے میں بھی نکما تھا کاروبار سے اور محنت سے دور بھاگتا تھا۔ میری بیوی نے میری زندگی کا رخ بدل دیا ہے۔ صائمہ بھی حشمت بھائی کو ہماری راہ پر لگا سکتی ہے۔"

حشمت نے کہا "امی اور اباجان جو فیصلہ کریں گے میں اس پر عمل کروں گا۔"

بیگم نے کہا "میں کہتی ہوں' حشمت کو مل میں پھر ایک موقع دیں۔ یہ بھی وکالت کی طرح صبح جائے گا شام کو آئے گا۔"

شائستہ نے کہا "یہاں رہیں گے تو آرام طلب رہیں گے۔ ائرکنڈیشنڈ کمرے سے نکلنے کو جی نہیں چاہے گا۔ حشمت بھائی جب تک اپنی محنت سے ایک مکان نہ بنالیں تب تک کرائے کے مکان میں رہیں۔"

"تم کون ہوتی ہو میری بیٹی داماد کو کرائے کے مکان میں بھیجنے والی؟ تمہارا کون سا گھر تھا۔ فٹ پاتھ سے یہاں آئی ہو۔ رہنے کو کوٹھی مل گئی ہے تو لمبی لمبی باتیں کرنے لگی ہو۔"

شائستہ نے ولایت علی سے کہا "ابا جان! امی کو سمجھائیں کہ میں نے حکم نہیں دیا ہے مشورہ دیا ہے۔ رہ گئی فٹ پاتھ سے یہاں آنے والی بات تو اس سے صائمہ اور حشمت کو سیکھنا چاہیے کہ میں چھوٹی سے بڑی اور معمولی سے غیر معمولی کیسے ہوگئی۔"

وکالت نے کہا "امی آپ نے طعنہ دیا تھا لیکن شائستہ نے اسی بات کو سبق آموز بنا دیا ہے۔ اچھا سبق سیکھنے میں آپ کی بیٹی کی بھلائی ہے۔"

وہ غصے سے بولیں "بہن کو گھر سے نکال دینے میں بھلائی ہے تو ماں کو بھی نکال دو۔ بیوی کے کلیجے کو ٹھنڈک پہنچانے کے لیے ایسی ہی بھلائیاں کرتے رہو۔"

ولایت علی نے کہا "بیگم! فضول باتوں سے کام کی باتیں پیچھے رہ جاتی ہیں اور کام کی بات یہ ہے کہ کل سے حشمت مل کے دفتر میں کام کرے گا۔ اسے تنخواہ کے علاوہ مکان کا کرایہ بھی دیا جائے گا۔"

وہ ناشتے کی میز پر سے اٹھتے ہوئے بولے "حشمت! مکان کا کرایہ ایک ہزار روپے ماہانہ سے زیادہ نہ ہو۔ ایک ماہ کے اندر مکان تلاش کرکے صائمہ کے ساتھ وہاں منتقل ہوجاؤ۔"

یہ حکم دے کر وہ چلے گئے۔ بیگم نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے چمچے کو پلیٹ پر پٹختے ہوئے کہا "میں اس گھر میں نہیں رہوں گی۔ اپنی بیٹی کے ساتھ ہی چلی جاؤں گی۔ یہ گھر اب رہنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ پہلے اس نے میرے بیٹے پر جادو کیا۔ اب میرے شوہر پر بھی کر

رہی ہے۔"

شائستہ نے میز پر سے اٹھتے ہوئے ملازم سے کہا "عبدل! باورچی سے کہو میں آج لنچ میں بھیجا فرائی کھاؤں گی۔"

اس خصوصی ڈش کا مطلب بیگم خوب سمجھتی تھیں اور کوئی توجہ نہیں دیتا تھا کہ وہ کس کا بھیجا کھایا کرتی ہے۔ اس وقت یہ سن کر بیگم کو سر سے پاؤں تک آگ لگ گئی۔ وہ چیخنے لگیں۔ برتن اٹھا کر پھینکنے لگیں۔ قسمیں کھاتے ہوئے کہنے لگیں کہ اس گھر میں وہ رہیں گی یا شائستہ اور اگر شائستہ رہ گئی تو اسے زندہ نہیں چھوڑیں گی۔

وہ آگ لگا کر جاچکی تھی۔ بیگم جلتے کڑھتے ہوئے سوچ رہی تھیں کہ آج یہ نند کو گھر سے نکال رہی ہے۔ کل ساس کو بھی دھکے دے کر بے گھر کرے گی۔ وہ بہو سوتیلے بیٹے سے زیادہ خطرناک ہوگئی تھی۔ اس سے تو سوتیلا ہی بھلا تھا۔ مگر اب پچھتاوے کیا ہوت جب چڑیاں چگ گئیں کھیت۔ یوں ایک اور بات سمجھ میں آئی کہ سوتیلے نے اس لڑکی کو ان کی بہو بنا کر چالاکی دکھائی ہے۔ زندگی بھر کا عذاب ان پر نازل کردیا ہے۔

بیگم نے بڑی بھاگ دوڑ کی۔ ولایت علی سے کہا۔ حشمت کو ضرور کام کرنا چاہیے لیکن بیٹی کو گھر سے بے گھر نہ کریں لیکن ٹکا سا جواب ملا کہ یہ بیٹی کا گھر نہیں ہے۔ اسے شوہر کے ساتھ اپنا گھر بنانے دیا جائے۔ پھر یہ بھی سمجھایا کہ بیٹی اپنے ماں باپ کی زندگی تک ہی میکے میں جبراً" رہتی ہے پھر بھائی اور بھاوج اسے ایک دن بھی ٹکنے نہیں دیتے۔

صائمہ بھی میکے سے نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے بھائی سے التجا کی بھابی کے خلاف کان بھرے۔ وکالت نے کہا شائستہ میں کوئی خرابی ہے تو اسے میں بھگت لوں گا لیکن تمہاری بھلائی علیحدگی میں ہے۔ میکے والوں سے علیحدہ رہو۔ ہم تمہاری خیریت معلوم کرتے رہیں گے اور برے وقتوں میں تمہاری مدد کرتے رہیں گے۔ تمہاری بہتری کے لیے دانشمندانہ فیصلہ ہوچکا ہے۔ اس پر عمل ضروری ہے۔"

آخر ایک ماہ بعد بیگم کی بیٹی اور داماد گھر سے چلے گئے۔ حشمت سے عیش و عشرت کی زندگی چھوٹی تو وہ مجبوراً" کام کرنے لگا۔ مہینے اور سال گزرنے لگے۔ کبھی صائمہ روتی دھوتی آتی تھی کبھی بیگم بیٹی کے گھر جاتی تھیں۔ چوری چھپے رقم دے کر اس کی مدد کرتی تھیں اور شائستہ کو گالیاں دیتی رہتی تھیں۔

گالیاں پڑنے کے باوجود بہو پھل پھول رہی تھی۔ ساس اور نند فکر اور پریشانی سے سوکھ رہی تھیں۔ ایک بچے کے بعد صائمہ کی صحت اور گرگئی۔ بیگم نے نواسے کو گود میں لے کر کہا "ایسی دکھ بیماریوں میں اسے تم کیسے سنبھالوں گی؟ میں صبح شام تمہارے پاس نہیں رہ سکتی۔ حشمت کی آمدنی اتنی نہیں ہے کہ ایک آیا رکھ سکے۔ وہ کلموہی مرتی بھی نہیں ہے۔ مرے گی تو نیاز کی سو دیگیں پکواؤں گی۔"

صائمہ نے کہا "وہ کوسنے سے نہیں مرے گی' آپ تدبیر سے کام لیں۔"

"سمجھ میں نہیں آتا کیا تدبیر کروں؟"

"آپ نے نواسے کو گود میں لیا ہوا ہے کیا گود میں پوتے کو کھلانے کا ارمان نہیں ہے؟"

"ضرور ہے مگر وہ تو ..."

"ماں نہیں بن رہی ہے۔ چار برس ہوگئے۔ خاندان کا ایک وارث پیدا نہیں ہوا اور آپ چپ بیٹھی ہیں۔"

بیگم سعدیہ کی آنکھیں کھل گئیں۔ شائستہ کی بہت بڑی کمزوری ہاتھ آئی تھی۔ وہ ماں نہیں بن رہی تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ بانجھ ہے ورنہ کھیتی کو ہری ہونے میں چار برس نہیں لگتے۔

بیگم نے پہلے یہ بات ولایت علی کے کانوں میں ڈالی۔ "کیوں جی! آپ کا کوئی نام لیوا اس گھر میں نہیں آئے گا؟"

"بھئی میرا نام لینے والے دو بیٹے ہیں۔"

"کیا بیٹے کے بیٹے نہیں ہوں گے؟ یہ نسل یہیں رک جائے گی؟ آپ کو پوتے پوتیوں کا ارمان نہیں ہے؟"

وہ گہری سنجیدگی سے بولے "ہاں ہے تو سہی۔ بیٹا اور بہو اس معاملے میں کچھ بے پرواہ ہیں۔"

"یہ بے پروائی نہیں قدرت کی مار ہے۔ بہو بانجھ ہے۔ اگر بانجھ نہ ہوتی تو چار برس میں چار ہو جاتے۔"

"بھئی میں اس معاملے میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ بیٹے سے معلوم کرو کہ ہمیں اور کتنا انتظار کرنا ہوگا؟"

"انتظار بہت ہو چکا ہے۔ اگر اولاد اب نہ ہوئی تو میں دوسری بہو لے آؤں گی۔"

"ہاں۔ صداقت بھی عرصے سے ٹال رہا ہے۔ اس کی بھی بہو آنی چاہیے۔"

"دوسری بہو کا مطلب یہ نہیں ہے کہ میں صداقت کی دلہن لانا چاہتی ہوں۔ جب وہ الگ رہتا ہے اور الگ گھر بسائے گا تو اس کی اولاد سے مجھے کیا دلچسپی ہوگی۔"

"اچھا تو تم شائستہ پر سوکن لانا چاہتی ہو؟"

"ہاں ڈنکے کی چوٹ پر لاؤں گی آپ میری حمایت کریں گے۔ بیٹے کو تسلیم کرنا ہوگا کہ خاندانی شجرہ قائم رکھنے اور آگے بڑھانے کے لیے اولاد ضروری ہے۔ اولاد ایک بیوی سے نہ ہو تو مذہب اور قانون کے مطابق دوسری شادی کی جاسکتی ہے۔"

"جائز بات سب کے لیے قابل قبول ہوتی ہے۔ جب بھی شائستہ جائز اور معقول باتیں

کرتی ہے۔ میں تمہاری ناراضگی کی پرواہ کیے بغیر وہ باتیں مان لیتا ہوں۔ آج تمہاری باتیں معقول ہیں۔ جاؤ بیٹے سے بات کرو۔"

"مجھے کہیں جاکر بات نہیں کرنی ہے۔ یہیں آپ کے سامنے کروں گی۔"

وہ ملازمہ کو بلا کر بولیں "وکالت سے کہو اس کے ابا جان تنہائی میں کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں' ابھی اپنے کمرے میں بلا رہے ہیں۔"

ملازمہ جانے لگی تو روک کر تاکید کی "اور سنو۔ بہو بیگم سے یہ نہ کہنا' میں یہاں موجود ہوں۔"

"جی بیگم صاحب بہو بیگم سے نہیں کہوں گی۔"

ملازمہ کے جانے کے بعد ولایت علی نے مسکرا کر کہا "بہو سے ڈرتی ہو؟"

"ڈرے گی میری جوتی۔ میں نے تو اس لیے جھوٹ بولنے کو کہا ہے کہ سچ معلوم ہوگا تو وہ میری بات کاٹنے یہاں دوڑی آئے گی۔"

بیگم! ایک بات یاد رکھو۔ بات سچی اور کھری ہو تو اسے کوئی نہیں کاٹ سکتا اور نہ ہی بات بنا کر وہ بات بدل سکتا ہے۔ سچائی کی یہی طاقت ہے کہ وہ بدلتی نہیں ہے۔"

"پھر بھی آپ اس گھر کے بڑے ہیں۔ آپ بیٹے سے یہ دوسری شادی والی بات منوالیں۔ میں آپ کی کنیز بن کر رہوں گی۔"

"آج کل تم کیا ہو؟"

"چھوڑیں مذاق نہ کریں۔ مجھے اپنے بیٹے کی اولاد چاہئے۔"

"وہ تو مجھے بھی چاہئے۔ لیکن دوسری بھی بانجھ نکلی تو؟"

"تو تیسری بہو لاؤں گی۔ چوتھی لاؤں گی۔ آپ بدشگونی والی باتیں نہ کریں۔ اللہ نے چاہا تو آپ کا خاندانی شجر پھلتا پھولتا جائے گا۔"

وکالت نے آکر سلام کیا' باپ نے کہا "آؤ بیٹھو ابھی ہم شجر کی باتیں کر رہے تھے۔ خاندانی شجری باتیں ......"

بیگم سعدیہ نے دروازے کی طرف دیکھا۔ اطمینان نہیں ہوا۔ اٹھ کر دروازے سے باہر آئیں۔ ادھر شائستہ نہیں تھی۔ انہوں نے دروازے کو اندر سے بند کرتے ہوئے شوہر سے پوچھا "کیا کہہ رہا ہے ہمارا بیٹا؟"

"میں سمجھ رہا ہوں امی! یہ تو اللہ دیتا ہے۔ ایک دروازے سے نہ ملے تو دوسرے دروازے سے دیتا ہے۔ بہو بانجھ ہے تو کوئی بات نہیں میں دوسری لے آؤں گی۔"

جی؟ مم ...... مگر......"

مگر کیا؟ تمہاری بیوی مگرمچھ ہے کہ تمہیں کھا جائے گی۔"

یہ بات نہیں ہے۔"

"پھر کیا بات ہے؟ اعتراف کیوں نہیں کرتے کہ اس سے ڈرتے ہو۔"

"امی وہ بانجھ نہیں ہے۔"

"کیا اس نے تمہیں سمجھایا ہے۔"

اس نے سر جھکا لیا۔ ماں نے پوچھا "کیا اس نے میڈیکل چیک اپ کرایا ہے؟"

اس نے انکار میں سر ہلایا۔ اس بار ولایت علی نے کہا۔ "ہمارے خاندان میں کسی بزرگ نے دو شادیاں نہیں کیں۔ شاید اس لئے کہ ضرورت پیش نہیں آئی۔ پہلی منکوحہ سے ہی اولادیں ہوتی رہیں، میری بات سمجھ رہے ہو نا؟"

"جی!" اس نے پھر سر جھکا لیا۔

"اس سے کہو۔ ہم اور چھ ماہ انتظار کریں گے۔ اس کے بعد تمہاری دوسری دلہن لائی جائے گی۔"

بیگم سعدیہ نے کہا "تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ وہ باتوں سے جیت جاتی ہے۔ تم سے یہ ضرور کہے گی کہ دوسری سے بھی اولاد نہ ہوئی تو کیا کرو گے؟ اس سے کہہ دینا دوسری کو طلاق دے دو گے۔ لیکن شادی ضرور کرو گے۔"

"جی اچھا۔" وہ جانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔

"صرف جی اچھا کہنے سے بات نہیں بنے گی۔ مرد بنو مرد، کیا بیوی کے سامنے اسی طرح جی اچھا کہو گے۔"

"جی نہیں۔"

بیگم اپنی جگہ سے اٹھ کر اس کے پاس آئیں۔ پھر محبت سے اس کا ہاتھ تھام کر بولیں۔ "میری نظروں میں ایک سے ایک حسین لڑکیاں ہیں۔ دیکھو گے تو دیکھتے ہی رہ جاؤ گے۔ جس کی طرف انگلی اٹھاؤ گے اسے دلہن بنا کر لے آؤں گی۔"

وہ کمرے سے جانے لگا۔ بیگم اس کے ساتھ چلتی ہوئی دروازے تک آ کر بولی "بیٹا! تمہیں میری قسم ہے، بس فولاد بن جاؤ۔ تن کر کہہ دو کہ بس تمہیں اولاد کی سخت ضرورت ہے۔ اس لئے دوسری دلہن ضرور لاؤ گے۔ ضرور، ضرور لاؤ گے۔ وہ راستے کا پتھر بنے تو اسے راستے سے ہٹا دیں گے۔"

وہ سمجھاتے ہوئے دروازے سے باہر آ گئیں۔ پیچھے سے ولایت علی نے آواز دی۔ "بیگم! واپس آ جاؤ۔ وہاں سے بہو کی سرحد شروع ہونے والی ہے۔"

وہ واپس آئیں، دونوں ہاتھ دعا کے لئے اٹھا کر کچھ کہنا چاہا تو ولایت علی نے کہا "کیا کرتی ہو کعبہ ادھر ہے۔"

وہ ادھر گھوم گئیں۔ آج انہیں جدھر گھمایا جاتا، ادھر گھوم جاتیں۔ گھوم گھوم کر تمام مزاروں پر دعائیں مانگتیں۔ پوتوں اور پوتیوں کے لئے نہیں ایک اور بہو کی آمد کے لئے

دعائیں مانگتیں۔ ایک خنجر سے موت آ رہی ہو تو دوسرے خنجر سے زندگی نہیں ملتی لیکن ساس ایک سے زخم کھاتے کھاتے دوسری بہو ضرور مانگتی ہے۔

وکالت اپنے بیڈ روم میں آیا۔ وہ ہچکچا رہا تھا کہ دوسری شادی کی بات کیسے چھیڑے؟ وہ شائستہ سے متاثر بھی تھا۔ دل میں آتش بازی ہونے لگی تھی۔ پتا نہیں ماں نے کتنی حسین لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ بھی دیکھنے اور کسی ایک کو جیت لینے کے لئے بے چین ہو گیا تھا۔

شائستہ نے پوچھا "کیا بات ہے؟ ابا جان نے کیوں بلایا تھا؟"

وہ پلنگ پر بیٹھتے ہوئی بولا "وہ پوچھ رہے ہیں، کروڑوں روپے کی دولت اور جائیداد کا وارث کب آئے گا۔"

"تم نے کیا جواب دیا؟"

"میں نے تو کہا تھا جب اللہ تعالی کو منظور ہو گا لیکن امی کہتی ہیں ......"

"اچھا تو امی بھی موجود تھیں۔ پھر تو خوب گل کھلے ہوں گے۔ میرے خلاف محاذ قائم ہو چکا ہے۔"

"کیا یہ بات تمہارے خلاف ہے کہ اولاد لازمی ہے؟"

"جب تک ماں نہ بنو، یہ میرے خلاف ہے۔"

"پھر کب بنو گی، چار برس گزر چکے ہیں۔ یہ پانچواں چل رہا ہے ابا جان نے صاف کہہ دیا ہے کہ وہ اور چھ مہینے انتظار کریں گے اس کے بعد ...... وہ رک گیا۔

شائستہ نے پوچھا "اس کے بعد؟"

"وہ دوسری بہو لائیں گے۔"

"تم کیا کہتے ہو؟"

"مجھ سے کیا پوچھتی ہو؟ کیا مجھے بچوں کا ارمان نہیں ہے، کیا میں باپ بننا نہیں چاہتا؟"

"اگر میڈیکل رپورٹ کہہ دے کہ تم باپ بن سکتے ہو اور میں ماں نہیں بن سکتی تو تمہیں دوسری شادی کی اجازت دے دوں گی۔ اپنی ماں سے جا کر کہہ دو، اس کے بغیر وہ مجھ پر سوکن لانے کے خواب دیکھتی رہ جائیں گی۔"

"تم جھگڑا بڑھا رہی ہو۔"

"اگر قانونی تقاضے پورے نہ کئے گئے تو جھگڑا بڑھے گا اور میں جانتی ہوں، تمہاری امی بیگم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آئیں گی۔ اس لئے کل صبح ایک وکیل سے رابطہ کروں گی۔ وہ تمہیں نوٹس بھیجے گا کہ دوسری شادی سے پہلے میری اور تمہاری میڈیکل رپورٹ حاصل کرنا لازمی ہے۔"

وہ سمجھ رہا تھا' بات بہت بڑھے گی۔ اس مسئلے پر تمام رات لڑائی ہوتی رہے گی۔ پھر گھر کی چاردیواری میں ساس بہو کے فسادات برپا رہیں گے لیکن شائستہ نے میڈیکل رپورٹ کی بیخ لگا کر بات ختم کر دی۔

بات کیسے ختم ہو سکتی تھی۔ ماں نے ایک حسین دلہن کی رشوت پیش کی تھی۔ وہ چاہتا تھا' دلہن کسی طرح آ جائے کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ اس لئے وہ پھر ماں کے پاس آیا اور شائستہ کی قانونی دھمکی سنائی۔

وہ سن کر بولیں۔ "کمبخت ' نئے نئے ' نکتے پیش کرتی ہے۔ بچاؤ کے ہتھکنڈے استعمال کر رہی ہے۔ تم اس کی باتوں میں نہ آنا۔ طبی معائنہ کبھی نہ کرانا۔"

"طبی معائنے میں مضائقہ کیا ہے؟ ہونے دیں۔ دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔"

"اگر وہ دودھ ہوئی اور تو پانی نکلا تو کیا ہو گا؟"

"آں؟" وہ سوچ میں پڑ گیا۔

ماں نے پھر للچایا "کیا تو نئی دلہن نہیں چاہتا؟ کیا شائستہ سے لاکھ درجے حسین لڑکی تیری زندگی میں آ رہی ہو تو تو نادانی سے اس کا راستہ روک دے گا؟"

وہ ماں کی گردن میں بانہیں ڈال کر بولا "نہیں امی' یہ شائستہ بڑا رعب دکھاتی ہے۔ ہمیشہ اپنی باتیں منواتی ہے۔ مجھے ایسی بیوی چاہئے جس سے میں اپنی باتیں منوا سکوں۔"

"میں اپنے شہزادے کے لئے ایسی ہی شہزادی لاؤں گی۔ بس تو ایک فیصلے پر جم جا کہ طبی معائنہ نہیں کرائے گا۔"

"آپ کی قسم میڈیکل رپورٹ نہیں لوں گا۔ آپ نے لڑکی کہاں دیکھی ہے؟"

"میں کل ہی اپنے بیٹے کو دکھاؤں گی۔ دوا پر نہیں ماں کی دعا پر بھروسا رکھو۔ دوسری سے تمہاری اولاد ضرور ہو گی۔"

"ہاں ماں کی دعائیں ضرور قبول ہوتی ہیں۔ میں شائستہ کی باتوں میں نہیں آؤں گا۔"

"اسے سمجھاؤ دوسری شادی کرنے سے اسے نقصان نہیں پہنچے گا۔ اس کے حقوق اسے ملتے رہیں گے۔"

وہ چلا گیا۔ بیگم سعدیہ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اگر بیٹا بانجھ نکلا تو بہو کی حیثیت صفر کرنے کا منصوبہ دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ بیٹے میں باپ بننے کی صلاحیت ہو یا نہ ہو شائستہ پر سوکن کا عذاب لانا ضروری تھا۔ وہ نئی بہو کو دوست بنا کر کسی موقع پر پہلی کو طلاق دلا سکتی تھیں۔ جیسے کچرے کی طرح اس گھر میں آئی تھی اسی طرح باہر پھینکی جا سکتی تھی۔

اس سلسلے میں شائستہ طبی معائنے پر زور دینے والی تھی۔ اس کا یہ زور توڑا جا سکتا تھا اگر وکالت کے دل و دماغ میں نئی عورت کے حصول کا شوق اتنا مستحکم ہو جاتا کہ دوسری

شادی اس کی ضد بن جاتی۔

دوسرے دن ولایت علی نے بیگم سے کہا "آج دفتر میں صداقت سے میری گفتگو ہوئی تھی۔ میں نے وکالت کی دوسری شادی کی بات چھیڑی تھی۔"

بیگم نے کہا۔ "آپ ہمارے معاملے میں اس سے گفتگو نہ کیا کریں۔"

"کیوں نہ کروں؟ وہ ذہین ہے۔ خاندان کی بہتری کو سمجھ کر ذمے داری سے گفتگو کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے کتنی اچھی بات کہہ دی ہے؟"

"وہ میرے بیٹے کی خوشی نہیں دیکھ سکتا۔ اس نے دوسری شادی پر اعتراض کیا ہو گا۔"

"اس کا اعتراض غلط نہیں ہے۔ ہمارے خاندان میں کبھی کسی نے دوسری شادی نہیں کی۔"

"لیکن یہاں اولاد کا مسئلہ ہے۔"

"صداقت نے یہ مسئلہ حل کر دیا ہے۔ وہ شادی کرنے پر راضی ہو گیا ہے۔"

"کیا؟" بیگم نے اس پہلو سے تو سوچا ہی نہیں تھا کہ بڑے سے اولادیں ہوں گی تو چھوٹے کی دوسری شادی ضروری نہیں سمجھی جائے گی۔ صداقت نے پہلے تو شادی سے انکار کر کے شائستہ کو ان کے سر منڈھ دیا تھا۔ اب اپنی شادی اور اولاد کی باتیں کر کے ان کے منصوبے کو سبوتاژ کر رہا تھا۔

وہ ناگواری سے بولیں "کیا آپ چاہتے ہیں بڑے ۔ ۔ اولاد ہو اور میرے بیٹے سے نہ ہو۔ میرے بیٹے کے بچے میری گود میں نہ کھیلیں۔"

"میں نے کب انکار کیا ہے۔ صداقت کو شادی کرنے دو۔ سال دو سال میں اس کی اولاد ہو گی۔ تب تک ہو سکتا ہے شائستہ کی بھی گود بھر جائے۔"

"میں دو سال انتظار نہیں کروں گی۔"

"صداقت میری اولاد کی خوشیاں پوری کرنے کی خاطر شادی کے لئے راضی ہو گیا ہے۔ اگر تم وکالت کی دوسری شادی کرو گی تو وہ اپنا معاملہ ٹال دے گا۔ تم دیکھ رہی ہو کہ وہ یہاں سے جانے کے بعد تنہا زندگی گزار رہا ہے۔ اس کی زندگی میں کسی کو آنے دو۔ وکالت کے لئے جلدی نہ کرو۔"

بیگم کو واضح طور سے شکست کے آثار نظر آ رہے تھے۔ صداقت نے شائستہ کی پوزیشن مضبوط کر دی تھی۔ اب تو لے دے کر وہی ایک راستہ رہ گیا تھا کہ وکالت دوسری شادی کے لئے ضدی اور خود سر ہو جائے۔ بیوی ہو' باپ ہو' دنیا ہو' کسی کو خاطر میں نہ لائے اور جلد سے جلد شادی کر لے۔ بعد میں جو ہو گا دیکھا جائے گا۔

وکالت شام کو چھ بجے مل سے واپس آتا تھا۔ بیگم سعدیہ نے پانچ بجے فون پر بیٹے سے کہا "میری ایک سہیلی ہے۔ اس کی تین بیٹیاں ہیں۔ تینوں لا جواب ہیں۔ دیکھنے سے تعلق

رکھتی ہیں- دیکھنا چاہتے ہو تو دفتر ہی میں رہو میں ایک گھنٹے بعد آ کر تمہیں سہیلی کے گھر لے جاؤں گی- میرا انتظار کرو گے؟"

وہ بھلا انتظار کیسے نہ کرتا؟ بچے کو مٹھائی اور جوان کو لگائی ملنے والی ہو تو وہ ایک ٹانگ پر کھڑے ہو کر انتظار کرتے ہیں- ماں نے ایک گھنٹے بعد آنے کو کہا تھا- وہ پہلے ہی کام چھوڑ کر بیٹھ گیا تھا- بار بار گھڑی کو دیکھنے لگا تھا- بیگم نے دو گھنٹے بعد آ کر کہا- "لڑکی والے ضد کر رہے تھے کہ ہم رات کا کھانا ان کے ساتھ ضرور کھائیں- میں نے سوچا ایسی بات ہے تو ہمیں ذرا دیر سے جانا چاہئے اور لڑکی والوں کو انتظار بھی کرانا چاہئے- اس طرح لڑکے کی اہمیت بڑھتی ہے-"

"امی! آپ نے مجھے بھی انتظار کرایا ہے- پلیز! اب چلیں-"

وہ دفتر سے باہر آئے- ماں نے بیٹے کے ساتھ کار میں بیٹھتے ہوئے کہا "واپسی میں کافی رات ہو جائے گی شائستہ سے کیا کہو گے؟"

"میں اس سے نہ ڈرتا ہوں نہ اس کے آگے جوابدہ ہوں- پھر میں اپنی ماں کے ساتھ ہوں- وہ اعتراض کرے گی تو منہ توڑ دوں گا-"

بیگم نے دل میں کہا "اللہ کرے وہ وقت آئے جب یہ دوسری کے سامنے پہلی کا منہ توڑے- میں نیاز کی سو دیگیں پکواؤں گی-"

پھر یاد آیا کہ سو دیگوں کی منت پہلے ہی مان چکی ہیں اور سو بہت ہوتی ہیں- انہوں نے سوچ کر عہد کیا کہ سو ایک دیگیں پکوا کر غریبوں میں کھانا تقسیم کریں گی-

وہ ایک مکان میں پہنچے- وہ مکان کوئی آدھی صدی پرانا ہوگا- اس کی دیواریں رنگ و روغن کے لئے ترس رہی تھیں- ایک سیکنڈ ہینڈ کار احاطے میں کھڑی ہوئی تھی- گھر کے مکین نے باہر آ کر اپنی بیگم کے ساتھ ان کا استقبال کیا- بیگم سعدیہ نے ان سے بیٹے کا تعارف کرایا- بیٹے نے دلہا کے انداز میں شرما کر سلام کیا- پھر وہ اندر آ گئے-

اس مکان کو اندر سے پرانے فرنیچر کے ذریعے سجانے اور رئیسانہ انداز اپنانے کی کوشش کی گئی تھی- کمرے میں ایک ٹیلیفون تھا- خاتون نے بیٹھتے ہی باتوں باتوں میں بتایا کہ ٹیلی فون شام سے خراب پڑا ہے- بعد میں کار کے متعلق بھی معلوم ہوا کہ اس میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے' کسی مکینک کو بلایا گیا ہے- قالین پر چلنے سے پتا چلتا تھا کہ نیچے کہیں کہیں فرش ٹوٹا ہوا ہے- اس کا عیب چھپانے کے لئے جو قالین بچھایا گیا تھا وہ بھی لنڈے بازار کا تھا-

رات کے وقت ٹی وی آن رہتا ہے لیکن وہ بند تھا- اس پر غلاف پڑا ہوا تھا- صاف ظاہر تھا کہ وہ بھی قابل دید ہے- وہاں کی ہر مہنگی چیز محض نمائش کے لئے تھی- خاتون نے بیگم سعدیہ سے کہا- "بیٹے وکالت کو یہاں بیٹھنے دیں- ہم دوسرے کمرے میں چلتے ہیں-"

لڑکیوں کے ماں باپ بیگم سعدیہ کے ساتھ دوسرے کمرے کی طرف گئے- اسے تنہا چھوڑ دیا لیکن ایک منٹ بعد ہی تنہائی ختم ہو گئی- ایک نوجوان لڑکی نے آ کر اسے سلام کیا- پھر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولی "میرا نام نعمانہ ہے-"

وہ بولا "میرا نام وکالت علی ہے-"

"میں جانتی ہوں-"

"کیسے جانتی ہو؟"

"آپ کی امی نے آپ کی تصویر ہماری امی کو دی تھی- اسے ہم تینوں نے دیکھا ہے-"

"تینوں کون؟"

"میری اور دو بہنیں ہیں- وہ آ گئیں-"

دو نوجوان لڑکیاں اندر آئیں- وہ تینوں کچھ زیادہ حسین نہیں تھیں- پھر بھی پرکشش اور بھرپور تھیں- البتہ شائستہ سے کم تر تھیں- اس وقت برتر لگ رہی تھیں کیونکہ شائستہ بیوی تھی- استعمال شدہ تھی اور وہ تینوں نئی' ان چھوئی اور تازہ تھیں- انہیں دیکھ کر شائستہ باسی لگ رہی تھی-

ایک نے اپنا نام رضوانہ اور دوسری نے رخسانہ بتایا وہ ایک ٹھنڈی بوتل' ایک گلاس میں شربت اور ایک کپ چائے لائی تھیں- نعمانہ نے کہا "چائے میری طرف سے ہے- شربت رضوانہ کی طرف سے اور ٹھنڈی بوتل رخسانہ لائی ہے- آپ ان میں سے جس کی چیز قبول کریں گے وہ یہاں رہے گی' باقی دو چلی جائیں گی-"

وکالت تینوں کو دیکھنے لگا- اتنی جلدی فیصلہ نہیں ہو سکتا تھا کہ ان میں سے کون اچھی' کون بہتر اور کون بہترین ہے- وہ تھوڑی دیر تک کبھی اسے اور کبھی اسے پسند کرتا رہا- پھر بولا "میں امتحان نہیں دے سکتا تھا- اس لئے تعلیم پوری نہیں کی- یہاں بھی امتحان میں پڑ گیا ہوں-"

رخسانہ نے کہا "ایسی کیا مشکل ہے کہ انتخاب نہیں ہو رہا ہے؟"

"مشکل یہ ہے کہ میں بوتل بھی پیتا ہوں' شربت بھی اور چائے بھی اگر تین منٹ کے اندر تینوں پی لوں تو؟"

وہ کھکھلا کر ہنسنے لگیں- رضوانہ نے کہا "میں مشکل آسان کر دیتی ہوں- آپ فی الحال کسی ایک کا انتخاب کریں- بعد میں احساس ہو کہ انتخاب غلط تھا تو شادی تک فیصلہ بدلا جا سکتا ہے-"

"پھر تو یہ مرحلہ آسان ہو گیا- میں پہلے تمہیں ہی پسند کرتا ہوں-"

اس نے شربت کا گلاس اٹھایا- نعمانہ اور رخسانہ وہاں سے چلی گئیں- رضوانہ نے

مسکرا کر پوچھا "مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟"

اس نے شربت کا گلاس اٹھایا۔ نعمانہ اور رخسانہ وہاں سے چلی گئیں۔ رضوانہ نے مسکرا کر پوچھا۔ "مجھ میں ایسی کیا بات ہے؟"

"میں اتنی جلدی سمجھ نہیں سکتا مگر کوئی بات ضرور ہے جس کے باعث دوسروں سے مختلف لگتی ہو۔"

"سنا ہے آپ کی شریک حیات بہت خوبصورت ہے؟"

"وہ سایہ دار شجر ہے جو سایہ دیتا ہے پھل نہیں دیتا۔"

"دوسرا بھی ثمردار نہ ہوا تو؟"

"اس کا جواب امی جانتی ہیں۔"

دوسرے کمرے میں بیگم سعدیہ نے نعمانہ اور رخسانہ کو دیکھ کر کہا۔

"اچھا تو میرے بیٹے نے رضوانہ کو پسند کیا ہے؟"

خاتون خانہ نے کہا "لڑکیو! اب یہاں سے جاؤ۔ ہمیں باتیں کرنے دو۔"

لڑکیوں کے ساتھ ان کا باپ بھی اٹھ کر چلا گیا۔ دونوں خواتین ایک دوسرے کی طرف منہ کر کے بیٹھ گئیں۔ رضوانہ کی ماں نے کہا۔

"بہن! ہمارے حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم کہتی ہو کل کا کام آج ہو جائے لیکن یوں کھڑے کھڑے تو لڑکی بیاہی نہیں جاتی؟"

"بیاہی جاتی ہے۔ میں کل آؤں گی اور پچیس ہزار دے جاؤں گی۔ اور بولو کیا مسئلہ ہے؟"

"تم ایک بہو پر دوسری بہو لے جا رہی ہو۔ اگر اس سے بھی اولاد نہ ہوئی تو؟"

"یہ تو میں پہلے ہی صاف صاف کہہ چکی ہوں۔ دو برس میں اولاد نہ ہوئی تو طلاق ہو جائے گی اور طلاق کے وقت پچاس ہزار دوں گی۔ وہ میرے بیٹے کو چھوڑنے کی قیمت ہو گی۔"

"پھر میری مطلقہ بیٹی سے کون شادی کرے گا۔"

"یہ تمہارا مسئلہ ہے۔ میرا مسئلہ یہ ہے کہ اولاد نہ ہوئی تو تیسری بہو لانا ہے۔ یوں میں بہوؤں کا میلہ نہیں لگاؤں گی۔ ایک کو چھوڑوں گی' دوسری کو پکڑوں گی۔"

"تو پھر پہلی کو طلاق کیوں نہیں دلوائی؟"

"یہی تو غلطی ہوئی کہ نکاح سے پہلے لکھت پڑھت نہیں ہوئی۔ رضوانہ کو بہو بنانے سے پہلے تم سے اور رضوانہ کے باپ سے پکے کاغذ پر لکھواؤں گی کہ اولاد نہ ہوئی تو بے چون و چرا طلاق ہو جائے گی۔"

وہ بے چینی سے پہلو بدل کر بولی "رضوانہ کے ابا راضی نہیں ہو رہے ہیں۔ کہتے ہیں

مطلقہ بیٹی کو بیاہنے میں زیادہ جہیز زیادہ رقم کی ضرورت ہوتی ہے۔"

"ٹھیک ہے میں کچھ رقم بڑھا دوں گی۔ اپنی میاں کو سمجھاؤ رضوانہ مجھے پوتے پوتیاں دے گی تو کتنا مان بڑھے گا۔ اولاد کے حوالے سے ہماری تمام دولت اور جائیداد کی مالک ہو گی۔ شائستہ دو کوڑی کی ہو کر رہ جائے گی۔"

"میں جانتی ہوں' ہماری بیٹی کی بھلائی ہے۔ مگر پچیس ہزار کم ہیں۔"

"تم خرچ کیا کرو گی؟ نکاح تو چپ چاپ پڑھا جائے گا۔ جب تک رضوانہ کے پاؤں بھاری نہیں ہوں گے۔ میں اسے گھر نہیں لے جاؤں گی۔ میرا بیٹا اسے ایک فلیٹ میں رکھے گا۔ نہ برات آئے گی نہ باجے گاجے اور کھانے پینے کا خرچ ہو گا۔ پھر بھی یہ رقم کم ہے تو تیس ہزار لے لو۔"

رضوانہ کی ماں نے بیگم کے گھٹنوں پر ہاتھ رکھ کر کہا "بیٹی کے معاملے میں سودے بازی بہت معیوب ہے۔ میں آخری بات کہتی ہوں۔ چالیس ہزار دے دو اور بہو بنا کر لے جاؤ۔"

بیگم سعدیہ یہ بازی ہارنا نہیں چاہتی تھی۔ لاکھوں لٹانے کے لئے تیار تھیں۔ آخر راضی ہو کر بولیں "کل پکا کاغذ لکھوا کر لاؤں گی' دستخط کے بعد چالیس ہزار دوں گی۔ مغرب کے بعد قاضی وغیرہ کا انتظام پورا رکھنا۔ میں بیٹے کو لے کر آ جاؤں گی۔"

انہوں نے رات کا کھانا وہیں کھایا۔ بیٹے کو ایک ایک بات ہجے کر کے سمجھا دی کہ نکاح کب اور کس طرح ہوگا اور وہ باپ بننے تک دوسری شادی کو راز میں رکھے گا۔ شائستہ کو دوسری عورت کی ہوا تک لگنے نہیں دے گا۔

وہ بیٹا جو بیوی کا غلام بنا رہتا تھا' اب ماں کا فرمانبردار بن گیا تھا۔ ماں نے بڑی دور اندیشی سے یہ طریقہ اپنایا تھا۔ بیٹے کے مزاج کو خوب سمجھ لیا تھا۔ ایک تو وہ عیاش رئیس زادوں کی طرح بازاری عورتوں کے چکر میں نہ پڑتا۔ دوسرے شائستہ کی طرف دھیان دینے اور اس کے اشاروں پر ناچنے کی اسے فرصت ہی نہ ملتی اور وہ شائستہ کے سامنے ہمیشہ ماں کو ترجیح دیتا رہتا۔ اسے پاؤں کی پھٹی ہوئی جوتی سمجھ کر گھر کے کونے میں پھینک دیا کرتا۔

وہ رات کے گیارہ بجے گھر پہنچا۔ شائستہ نے اسے ماں کے ساتھ دیکھا تو ماتھا ٹھنکا۔ شادی کو پانچواں برس تھا ان برسوں میں اس نے کبھی بیٹے کے ساتھ جاتے یا کہیں سے آتے نہیں دیکھا تھا۔ آج یہ نیا اتحاد کچھ رنگ لانے والا لگتا تھا۔

وہ کمرے میں آ کر لباس بدلنے لگا۔ شائستہ نے کہا "میں نے دفتر میں اور تمہارے دوستوں کے ہاں کتنے ہی فون کر ڈالے۔ مجھے معلوم ہوتا کہ اماں کی گود میں ہو تو پریشان نہ ہوتی۔"

وہ بھڑک کر بولا "کیا ماں کے ساتھ کہیں جانے پر برائی ہے؟"

"ہرگز نہیں۔ آج ماں کے ساتھ گئے، کل میرے ساتھ جاؤ گے تو کوئی برائی نہیں ہوگی۔"

"تمہارے ساتھ کہاں جاؤں گا؟"

"جہاں آج امی کے ساتھ گئے تھے۔"

"آں؟" وہ ذرا چونکا پھر سنبھل کر بولا "امی کی سہیلی کے ہاں دعوت تھی۔ دعوت روز روز نہیں ہوتی کہ تمہیں وہاں لے جاؤں۔"

"میں تو انہیں دعوت دے سکتی ہوں۔ مجھے فون نمبر دو۔ میں کل رات پرل میں انہیں انوائٹ کروں گی۔"

وہ گھبرایا پھر بولا "ان کا فون خراب ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔ کل صبح دفتر جانے سے پہلے ان کے گھر ہوتے جائیں گے۔"

کل تو شب عروسی تھی۔ نئی دلہن آنے والی تھی۔ اس نے کہا۔

"کل نہیں، کل میں بہت مصروف ہوں۔"

"ایسی کون سی مصروفیت ہے، جس میں میں شریک نہیں ہو سکتی۔"

وکالت کو یوں لگا جیسے وہ اس کی شادی میں شریک ہونے کی ضد کر رہی ہے۔ اس نے جھنجلا کر کہا "تم کیوں میرے پیچھے پڑ جاتی ہو؟ میں جہنم میں جاؤں گا۔ کیا میرے ساتھ جاؤ گی؟"

"میرے پیار کو آزماؤ اور جہنم میں لے چلو۔"

"مجھے معاف کر دو۔ میں تم سے باتوں میں نہیں جیت سکتا۔"

"یعنی میں جیت گئی۔ کل ہم پرل چلیں گے۔"

اس نے گھور کر دیکھا۔ عقل نے سمجھایا۔ بات مان لو۔ کل کسی طرح ٹرخا دینا۔ نہیں مانے گی تو دھوکا دے کر نئی سسرال پہنچ جانا۔

مشکل یہ تھی کہ وہ جیسے اندر کی بات سمجھ لیتی تھی۔ اس نے پوچھا۔ "تم مجھے گھور رہے ہو یا میرے خلاف سوچ رہے ہو۔"

وہ ایسی باتوں سے خوف زدہ ہو کر کہا کرتا تھا۔ "تم بہت ذہین ہو۔"

آج ایسی ہی ذہانت پر غصہ آ رہا تھا۔ ماں نے راستے میں سمجھایا تھا۔ لڑائی جھگڑا نہ کرنا۔ رضوانہ کو دلہن بنانے تک بات نہ بڑھانا ورنہ وہ بڑی حرافہ ہے۔ کانوں میں ذرا بھی بھنک پڑ گئی تو شادی نہیں ہونے دے گی۔

وہ ہارے ہوئے سپاہی کی طرح بستر پر گر پڑا۔ اس کے بعد آنکھیں بند کر لیں۔ شائستہ اس کے پاس آئی۔ وہ دوسری طرف کروٹ بدل کر بولا "سونے دو۔ صبح جلدی اٹھنا پڑتا ہے۔"

وہ محبت سے لپٹنے آئی تھی۔ بستر پر بیٹھ گئی۔ اسے سوچتی ہوئی نظروں سے دیکھنے لگی۔ وہ کار کی اسٹیرنگ کی طرح اس کے ہاتھوں میں رہتا تھا۔ شائستہ اسے ادھر ادھر نہیں ہونے دیتی تھی۔ سیدھے راستے پر چلاتی رہتی تھی۔ جہاں مڑنا ہوتا تھا، وہاں موڑتی تھی۔ آج وہ ہاتھوں سے بہک رہا تھا۔ بے ضرورت مڑ رہا تھا اور نامعلوم ایکسیڈنٹ کا اندیشہ پیدا کر رہا تھا۔

اس نے فیصلہ کر لیا کہ دوسرے دن سے اس کی مصروفیات پر نظر رکھے گی اور دفتر کے ایک ملازم کو بھاری رشوت دے کر جاسوس بنائے گی۔ یوں اس کی نگرانی کرتی رہے گی۔

دوسرے دن اس نے گیارہ بجے فون کیا۔ وہ دفتر میں موجود تھا۔ پھر لنچ کے وقت فون پر کہنا چاہتی تھی کہ شام کو دفتر آئے گی اور تفریح کا پروگرام بنائے گی لیکن وہ فون پر نہیں ملا۔ چپراسی نے کہا "صاحب کہیں گئے ہیں۔"

وہ کار میں بیٹھ کر دفتر پہنچ گئی۔ وہاں تفتیش کے دوران معلوم ہوا کہ پچھلی شام بیگم سعدیہ دفتر میں آئی تھیں۔ پھر ماں بیٹے وہاں سے کہیں گئے تھے۔ اس نے ایک نوجوان کلرک کو بلا کر پوچھا۔

"تمہیں کتنی تنخواہ ملتی ہے؟"

"میڈم! ڈیڑھ ہزار۔"

"اگر تنخواہ دگنی ہو جائے اور تین ہزار ملیں تو؟"

"آپ کا احسان ہو گا میڈم۔"

"کیا نام ہے؟"

"اسرار احمد۔"

"اسرار کے معنی بھید، راز ہیں۔ کیا تم راز دار بنو گے؟"

"میں سمجھا نہیں میڈم۔"

"میں اپنے ذاتی معاملات میں تمہیں راز دار بنانا چاہتی ہوں اور جو بھی راز ہو وہ میرے شوہر کو یعنی تمہارے صاحب کو نہ معلوم ہو۔"

"میڈم! انجانے دشمن ہوتے ہیں، کوئی راز کھلا تو میری ملازمت چلی جائے گی۔ میری ایک بیوی اور بچہ ہے۔"

"بچہ بھی ہے۔ پھر تو تمہاری بیوی خوش نصیب ہے۔ میں ضمانت دیتی ہوں تمہاری ملازمت برقرار رہے گی۔ دفتر سے تمہیں ڈیڑھ ہزار ملیں گے اور میرے اس پرس سے ڈیڑھ ہزار۔"

"میں آپ کے معیار پر پورا اترنے کی کوشش کروں گا۔ آپ کام بتائیں۔"

"ایک ہفتے کی چھٹی کی درخواست دو۔ پھر یہاں سے نکل کر ایسٹرن اسٹوڈیو کے سامنے

آؤ- وہاں میں اپنی کار میں ملوں گی-"

اس نے ایک ہزار کا نوٹ نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا- "اسے رکھو' یہ کسی حساب میں نہیں ہے-"

"شکریہ میڈم! میں ابھی درخواست لکھ کر آتا ہوں-"

وہ دفتر سے باہر آئی- اپنی کار میں بیٹھ کر مل کے احاطے کے سامنے آکر رک گئی- وہ آدھے گھنٹے بعد آیا- شائستہ نے اسے اگلی سیٹ پر اپنے پاس بیٹھنے کو کہا- وہ جھجکتا ہوا بیٹھ گیا- اس نے کار اسٹارٹ کر کے بڑھاتے ہوئے کہا- "میں معلوم کرنا چاہتی ہوں کہ وکالت صاحب دفتر کے علاوہ اور کہاں وقت گزارتے ہیں-"

"وہ کار میں آتے اور کار میں جاتے ہیں- میں کس طرح ان کا تعاقب کروں گا-"

"ڈیش بورڈ کھولو- وہاں سے چالیس ہزار نکالو-"

اس نے ڈیش بورڈ کو کھولا- اندر نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں- اس نے حساب سے چالیس ہزار نکال کر ڈیش بورڈ کے خانہ کو بند کر دیا-

وہ بولی "ابھی ایک موٹر سائیکل خریدو- شام تک مل کے سامنے رہو- وکالت صاحب ضرور آئیں گے- اس کے بعد وہ جہاں بھی جائیں ان کا پیچھا کرتے رہو-"

"آپ سے رابطہ کیسے ہوگا؟"

"اپنی بیوی کو راز دار بناؤ- وہ میری سہیلی بن کر جب چاہے فون پر رابطہ کر سکتی ہے-"

اسرار احمد نے جب سے چالیس ہزار روپے ہاتھوں میں لیے تھے تب سے دماغ روشن ہو رہا تھا کہ معاملہ گمبھیر ہے- تب ہی میڈم بڑی رقمیں خرچ کر رہی ہیں- ابتدا یہ ہے تو جانے انتہا کیا ہوگی؟"

وہ دل و جان سے میڈم کا مقرر کردہ سراغرساں بن گیا لیکن پہلے دن ناکامی ہوئی کیونکہ وکالت مل کے دفتر میں واپس نہیں آیا تھا- بیگم نے سمجھایا تھا کہ شائستہ دفتر میں پہنچ گئی تو پیچھا نہیں چھوڑے گی- پھر مغرب کے بعد نکاح نہیں ہو سکے گا- اس لئے وہ اس فلیٹ میں چلا گیا تھا جسے بیگم نے رازداری سے خرید رکھا تھا-

وکالت اسی فلیٹ سے رضوانہ کے گھر گیا- پھر اسے دلہن بنا کر وہیں لے آیا- وہ سہاگ کی سیج پر رضوانہ کو دلہن کے روپ میں دیکھ کر ماں کی ممتا پر ایمان لے آیا- ماں کی ہیرا پھیری سے ہی اسے نئی دلہن ملی تھی-

وہ بڑے جوش اور جذبات کے ساتھ دلہن کے پاس رہا' اس سے باتیں کرتا رہا- محبتیں کرتا رہا لیکن اسے کچھ ایسا لگا جیسے گھر میں نہیں بازار میں رات گزار رہا ہو- اس نے گھونگھٹ اٹھانے سے پہلے اس کا ایک ہاتھ تھام کر اسے انگوٹھی پہنائی پھر اس کی ہتھیلی کی

پشت پر اپنے ہونٹ رکھے تو رضوانہ نے ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا لیا- یہ انداز بہت برا لگا- وکالت نے پوچھا "کیا ہوا؟"

خیال تھا کہ وہ شرمائے گی مگر وہ تڑ سے بولی "مونچھیں چبھتی ہیں-"

"تو کیا ہوا؟"

وہ کچھ نہ بولی- بیٹھے بیٹھے دوسری طرف گھوم گئی- نئی دلہن کے نخرے برداشت کرنے پڑتے ہیں- وہ پیار سے سمجھانے منانے لگا- ماننے کو تو وہ فوراً مان گئی تھی اور مشرقی دلہن کا جواب بنتی رہی تھی لیکن بار بار مونچھیں آڑے آتی رہیں- ایسی پریشانی کے عالم میں اسے پروین شاکر کا ایک شعر یاد آیا- جس کا مفہوم یہ تھا کہ تتلی کانٹوں سے گھرے ہوئے پھولوں پر جا کر بیٹھتی ہے لیکن اس کے پر نہیں چھلتے- ایک وہ تھی کہ اس نے مونچھوں کو مسئلہ بنا لیا تھا- بہرحال کسی طرح گرتے پڑتے وہ رات گزار لی- دوسری صبح بیزار ہو کر بولا- "مونچھوں سے مرد کی شان بڑھتی ہے- ہمارے خاندان میں کوئی مونچھیں نہیں منڈواتا- گزارہ کرنا سیکھو-"

وہ صبح دیر تک سوتی رہی- وکالت کو اب ادھر کی فکر تھی کہ شائستہ کیا سوچ رہی ہو گی؟ کیا کر رہی ہوگی؟ وہ ابا جان سے میرے رات بھر غائب رہنے کی شکایت کر رہی ہو گی؟ ہو سکتا ہے میری تلاش شروع ہو چکی ہو-

ایک طرح سے اطمینان تھا کہ وہاں کے معاملات امی سنبھال لیں گی- اس کے باوجود وہ فکر مند تھا- غسل کرتے وقت احساس ہوا کہ وہ فکر شائستہ کی طرف سے نہیں رضوانہ کی طرف سے ہے- وہ نئی عورت چاہتا تھا اور رضوانہ میں کوئی نئی بات نہیں تھی- وہ جیسے شائستہ سے بہلتا تھا اس بہلاوے میں ڈھکی چھپی ممتا ہوتی تھی- وہ اسے ایک بچہ سمجھ کر اس کا خیال رکھتی تھی- اسے آغوش میں یوں لیتی تھی جیسے گود لے رہی ہو-

وہ پانچ برسوں میں اس کا عادی ہو گیا تھا- ایک ہی رات کی جدائی سے معلوم ہو گیا کہ اس سے لڑ جھگڑ سکتا ہے- ماں کے آگے اسے ٹھکرا سکتا ہے مگر اس کے بازو پر سر رکھے بغیر سو نہیں سکتا-

وہ کوئی دنیا سے نرالی نہیں تھی لیکن عورت ازدواجی معاملات میں نرالی بن سکتی تھی- یہ اس کی حکمت عملی تھی کہ وہ بیوی کے پیار میں اس کی بیگم امی کی ممتا بھی گھول کر پلاتی تھی- تو ان ون بن جاتی تھی- اسی لئے اپنی شادی کے پہلے دن سے بیگم سعدیہ کا طلسم توڑتی آئی تھی-

عموماً ساس اپنی بہو کو چالاک تو کہتی ہے لیکن چالاک سمجھتی نہیں ہے- خود کو اس کے مقابلے میں زیادہ ذہین سمجھتی ہے- ایسی خوش فہمی میں یہ نہیں سوچتی کہ بہو بیڈ روم کی چار دیواری میں کس طرح سحر پھونکتی رہتی ہے اور نفسیاتی طریقہ کار سے اپنے میاں پر بڑی

سیاست سے محبت کا رنگ چڑھاتی رہتی ہے۔

وہ چاہتا تو دوسری صبح گھر واپس جا سکتا تھا۔ شائستہ کوئی سوال کرتی تو اسے جھڑک کر کہہ سکتا تھا کہ کاروباری معاملے میں شہر سے باہر چلا گیا تھا۔ وہ آئندہ اس کے گھر سے باہر کی مصروفیات کا حساب نہ مانگا کرے۔ مرد زبردست بن کر رہے تو عورت رفتہ رفتہ زیردست آ جاتی ہے۔ پھر باہر کے کسی معاملے میں چوں نہیں کرتی۔

اس نے کئی بار چنگیز خان بننے کی کوشش کی لیکن بیوی کا معشوق خاں بن کر رہنے والا چنگیز خان کبھی نہیں بن سکتا۔ اس کی فطرت اور اس کے مزاج میں تابعداری تھی۔ وہ یہ سمجھ نہیں پاتا تھا کہ شائستہ بظاہر تابعداری کرتے ہوئے کیسے اس کی حواس پر حاوی رہتی ہے۔

اس کا سامنا کرنے سے کترانے کے لئے اس نے دفتر میں فون کیا اور منیجر سے پوچھا "میری کوئی فون کال یا کوئی خبر ہے؟"

"یس سر! بڑے صاحب آپ کو پوچھ رہے تھے۔ آپ کی بیگم صاحبہ نے بھی فون کیا تھا۔ وہ پھر فون کریں گی۔"

"تم انہیں بتا دو کہ سکھر سے میرا فون آیا تھا اور میں نے کہا ہے کہ میں دوست کی شادی میں گیا ہوا ہوں۔ کل واپس آ جاؤں گا۔"

پندرہ منٹ بعد شائستہ کو منیجر نے بتایا کہ وہ سکھر میں ہے۔ وہ ماننے کو تیار نہیں تھی کہ وہ دوست کی شادی میں تین دنوں تک کاروباری اہم معاملات سے دور رہے گا۔ جب کوئی دوسری کے چکر میں پڑتا ہے تو پہلی سے اسی طرح دور بھاگتا ہے۔

پھر بیگم سعدیہ کا اطمینان دیکھ کر خطرے کی گھنٹی بج گئی تھی۔ بیٹے کی فکر سب سے پہلے ماں کو ہوتی ہے لیکن وہ بڑے اطمینان سے کہتی رہیں۔ "پریشان ہونے کی کیا بات ہے۔ میرا بیٹا کوئی بچہ نہیں ہے۔ دوستوں کے ساتھ کہیں گیا ہو گا۔ آ جائے گا۔"

اسرار احمد کی بیوی نے شائستہ سے فون پر رابطہ کیا اور اپنے شوہر کا پیغام دیا اس کی رپورٹ کے مطابق وکالت شہر میں کہیں نظر نہیں آ رہا تھا۔ پھر اسرار احمد نے پوچھا تھا اگر حکم ہو تو وہ سکھر جا کر اسے تلاش کرے گا۔

شائستہ نے کہا "وہ شہر میں ہیں۔ کسی چار دیواری میں منہ کالا کر رہے ہیں۔ دو گھنٹے بعد رابطہ کرو اور صاحب کو ڈھونڈ نکالنے کی کوئی تدبیر کرتے رہو۔"

وہ سوچنے لگی۔ ماں کے چہرے کا اطمینان اور چھپی چھپی سی خوشی بتا رہی ہے کہ اس نے بیٹے کو کھلونا دے کر بہلایا ہے۔ ابا جان نے کئی جگہ وکالت کی خیریت معلوم کرنے کے لئے فون کیا تھا۔ پھر یہ معلوم ہونے کے بعد کہ وہ سکھر گیا ہے' غصہ میں بڑبڑاتے رہے۔ موسم گرما کی آمد سے پہلے لان کے نئے نئے ڈیزائن تیار ہو رہے تھے۔ پبلسٹی پر لاکھوں

روپے خرچ کئے جا رہے تھے۔ دوسری ملوں کی لان کے مقابلے میں اپنی پروڈکٹس کو پورے پاکستان کی مارکیٹ میں پہنچانا اور سیل بڑھانا ایک زبردست چیلنج ہوتا تھا۔ ایسے وقت وکالت نے سکھر جا کر غیرذمے داری کا ثبوت دیا تھا۔

بیگم سعدیہ بہو سے جو خسارہ اٹھا رہی تھیں اس کے پیش نظر کاروباری خسارہ ان کی نظروں میں کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ اسی لئے وکالت کو کاروبار سے ہٹا کر اپنے راستے پر لگا لیا تھا۔

شائستہ بڑی دانائی سے سسر کے سامنے یہ شکایت نہیں کر رہی تھی کہ وکالت کہیں بھٹک رہا تھا یا بھٹکایا جا رہا ہے وہ تشویش ظاہر کر رہی تھی کہ ایسی غیرذمے داری سے کاروبار کا کیا بنے گا؟ اس طرح وہ اپنی تشویش کو چھپا کر سسر کے کاروباری غم میں شریک ہو رہی تھی۔ یعنی وہ سسر کے ذریعے زیادہ سختی سے وکالت کا محاسبہ کر سکتی تھی۔

شام تک اس کا سراغ نہیں ملا۔ اگرچہ وہ دوسرے دن واپس آنے والا تھا لیکن شائستہ سے فراڈ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس پہلو سے سوچ رہی تھی کہ کس طرح اپنی ساس کی زبان کھلوا سکتی ہے۔ یقیناً" وہ جانتی ہو گی کہ بیٹا کہاں ہے؟

تب اچانک ہی ایک تدبیر ذہن میں آئی۔ وہ اسرار احمد کی پاس گئی۔ پھر اس سے بولی "ہماری کوٹھی کے سامنے جاؤ۔ جیسے ہی وکالت کی والدہ باہر نکلیں' تم ان کا تعاقب شروع کر دو۔"

اسے یہ ڈیوٹی دے کر وہ پھر واپس کوٹھی میں آئی۔ کوٹھی میں دو ٹیلی فون تھے۔ ایک ٹیلی فون اس کے بیڈ روم میں اور دوسرا ساس کے کمرے میں ہوتا تھا۔ یعنی ایک ولایت علی کے لئے تھا دوسرا وکالت کے لئے۔ اس نے اپنے بیڈ روم میں آ کر دروازے کو اندر سے بند کر لیا۔ پھر فون کے پاس بیٹھ کر ریسیور اٹھایا۔ اس کے بعد ساس کا فون نمبر ڈائل کرنے لگی۔

اس وقت ولایت علی مل میں تھے۔ رابطہ قائم ہونے پر دوسری طرف سے بیگم سعدیہ کی آواز سنائی دی۔ شائستہ نے دبی ہوئی سرگوشی میں ذرا سی آواز بدل کر کہا "میں بول رہی ہوں۔"

دوسری طرف سے بیگم نے رازداری سے پوچھا "میں کون؟"

"وہ' آپ سمجھا کریں۔ میں اپنا نام نہیں لوں گی' آپ کی بہو سے ڈر لگتا ہے۔"

"اچھا اچھا سمجھ گئی۔ بات کیا ہے؟ خیریت ہے نا؟"

"خیریت نہیں ہے۔ آپ کے بیٹے نے پتا نہیں کیا کھا لیا ہے۔ آواز بند ہو گئی ہے۔"

وہ پریشان ہو کر بولیں۔ "آواز بند ہو گئی؟ کیسے؟ اس نے کیا کھایا تھا؟"

"میں فون پر تفصیل کیا بتاؤں۔ بہت پریشان ہوں۔ وہ گہری گہری سانسیں لے رہے۔

ہیں۔ اپنا سینہ سہلا رہے ہیں۔ آپ گاڑی لے کر آئیں گی تو ہم انہیں ہسپتال لے جائیں گے۔"

"میں ابھی آ رہی ہوں۔"

ادھر سے ریسیور رکھ دیا گیا۔ شائستہ نے بھی فوراً" ریسیور کو رکھا۔ دوڑتی ہوئی دروازے کے پاس آئی۔ اسے پوری طرح کھول دیا۔ پھر دوڑتی ہوئی پلنگ پر آکر لیٹ گئی۔ دوسری طرف کروٹ لے کر ایک انگریزی رسالہ کھول کر دیکھنے لگی۔ چند سیکنڈ کے بعد بیگم سعدیہ دبے پاؤں اس کے کمرے کے پاس آئیں۔ کھلے ہوئے دروازے سے بہو پلنگ پر دوسری طرف منہ کئے لیٹی نظر آئی۔ وہ مطمئن ہوگئیں کہ بہو گھر میں ہے اور اس کی ٹوہ میں نہیں ہے۔

وہ اسی طرح دبے قدموں وہاں سے باہر چلی گئی۔ شائستہ نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔ دیکھنے کی ضرورت نہیں تھی۔ کوئی پون گھنٹے بعد فون کی گھنٹی سنائی دی۔ وہ ریسیور اٹھا کر بولی۔ "ہیلو۔"

اسرار کی بیوی نے کہا "میڈم! میں بول رہی ہوں۔ کام ہوگیا ہے۔ آپ بہادر آباد کے راؤنڈ اباؤٹ میں آجائیں۔ ہم انتظار کر رہے ہیں۔"

شائستہ ریسیور رکھ کر اٹھ گئی۔

ادھر بیگم سعدیہ بیٹے کے لئے پریشان ہو کر ہانپتے کانپتے فلیٹ کے دروازے پر پہنچیں۔ پھر زور زور سے دستک دی۔ رضوانہ نے دروازے کو کھول کر پوچھا "آپ؟"

وہ تیزی سے اندر آکر بولیں۔ "کہاں ہے میرا بیٹا؟ آخر تم نے اسے کیا پکا کر کھلا دیا تھا؟"

وکالت نے دوسرے کمرے سے نکل کر پوچھا "امی! آپ پریشان کیوں ہیں؟"

وہ بیٹے کو صحیح و سلامت بولتے دیکھ کر دنگ رہ گئیں۔ کبھی بہو کو کبھی بیٹے کو دیکھنے لگیں۔ پھر بہو سے بولیں "ابھی تم نے مجھے فون کیا تھا؟"

"جی نہیں۔"

"جھوٹ بولتی ہو۔ ابھی تم نے میری جان نکال دی تھی۔ تم نے کہا تھا، وکالت نے کوئی چیز کھا لی ہے۔ جس سے آواز بند ہوگئی ہے۔ اس کی حالت خراب ہے۔ اسے اسپتال لے جانا ہے۔"

وکالت نے کہا "امی! رضوانہ شام سے فلیٹ میں میرے ساتھ ہے جبکہ فون کرنے کے لئے سامنے والی دکان میں جانا پڑتا ہے۔ میں گواہ ہوں کہ رضوانہ نے آپ کو فون نہیں کیا تھا۔"

وہ حیران ہو کر بولیں "پھر کس نے فون پر میرا دل دہلایا تھا؟"

"اوہ گاڈ!" وکالت نے کہا "کہیں شائستہ تو چالاکی نہیں دکھا رہی ہے؟ امی! اس سے بڑا ڈر لگتا ہے۔"

بیگم کے اندر سے ہول اٹھنے لگا۔ رضوانہ نے فون نہیں کیا تھا۔ پھر تو یہی بات سمجھ میں آتی تھی کہ وہ مکار لومڑی کوئی چال چل رہی ہے۔

وہ بولیں "بیٹے! کیا اس نے مجھے بے وقوف بنایا ہے؟"

"یہی سمجھ میں آرہا ہے امی! اس نے آپ کا تعاقب یہاں تک کیا ہوگا۔"

"میں جب گھر سے نکلی تو وہ اپنے کمرے میں لیٹی ہوئی تھی۔ میں نے کوٹھی کے باہر بھی دیکھا ہے۔ وہ میرے پیچھے نہیں آئی تھی۔"

"خدا کرے اس نے پیچھا نہ کیا ہو۔ پھر بھی سوال پیدا ہوتا ہے ایسی حرکت کس نے کی ہے؟"

بیگم نے کہا "ہمارا تو ایک ہی دشمن ہے۔ معلوم ہوتا ہے صداقت تمہارے پیچھے پڑ گیا ہے۔ تم کاروبار چھوڑ کر یہاں چھپے بیٹھے ہو، وہ دشمن تمہیں تلاش کرکے تمہارے اباجان کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہے۔"

"ہاں امی! آپ کی بات دل کو لگتی ہے۔ بھائی جان ایسی حرکتیں کر رہے ہیں۔"

بیگم سعدیہ نے دروازے کی طرف دیکھ کر کہا "پھر تو وہ میرے پیچھے یہاں تک آیا ہوگا۔ اور یہ جگہ دیکھ کر گیا ہوگا۔ بعد میں تمہارے اباجان کو یہاں لائے گا۔"

رضوانہ نے کہا "آپ ماں بیٹے کبھی میری سوکن سے ڈرتے ہیں، کبھی اپنے سوتیلے سے۔ دنیا والوں سے بھی مجھے چھپا کر رکھا گیا ہے۔ بات کھلے گی تو میرا کیا بنے گا؟"

وکالت نے کہا "ارے تم چپ رہو۔ ہمیں صورت حال کو سمجھنے دو۔ تم ہو کس گنتی میں؟ بات بگڑے گی تو تمہیں میکے پہنچا دیا جائے گا۔"

"کیوں میکے پہنچاؤ گے؟ کیا میں ماں کے گھر سے بھاگ کر آئی ہوں۔"

بیگم سعدیہ نے کہا "جس ایگریمنٹ کے مطابق لائی ہوں۔ اس کے مطابق تمہیں واپس بھیج سکتی ہوں۔"

"وہ ایگریمنٹ میں جانتی ہوں۔ آپ دو برس تک مجھے بہو ماننے سے انکار نہیں کر سکیں گی۔ اگر خوش قسمتی سے ماں بن جاؤں گی تو ہمیشہ کے لئے بہو تسلیم کی جاؤں گی۔"

"اس وقت ماں بننے اور بہو بن کر رہنے کا مسئلہ نہیں ہے۔ امی! بہتر ہے میں فوراً یہاں سے کسی دوست کے یہاں چلا جاؤں۔ میں لباس بدل کر آتا ہوں۔"

وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ بیگم نے کہا "رضوانہ! تمہارا کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ایسے وقت تمہیں کوئی اچھا مشورہ دینا چاہئے۔ ہمارے ہر مسئلے میں تمہیں شریک رہنا چاہئے۔"

رضوانہ سر جھکا کر سوچنے لگی۔ وہ اس قدر دولت مند گھرانے میں واپس جانے کے لئے نہیں آئی تھی۔ جب تک ماں نہ بن جاتی تب تک شوہر کی ماں کو خوش رکھنا دانش مندی تھی' اس طرح آئندہ سوکن کے خلاف محاذ مضبوط ہو جاتا۔

وہ کچھ دیر سوچ کر بولی "آنٹی! میری عقل کہتی ہے اگر صداقت بھائی یہ فلیٹ دیکھ چکے ہیں تو اس سے پہلے کہ وہ اباجان کو یہاں لے کر آئیں' وکالت خود ہی مل میں جاکر اباجان سے ملاقات کرکے اپنے طور پر صفائی پیش کریں۔ یوں باپ کا دل بیٹے کی طرف سے صاف ہو جائے گا۔"

وکالت دوسرے کمرے سے یہ باتیں سن رہا تھا۔ لباس تبدیل کرکے ماں کے پاس آتے ہوئے بولا "رضوانہ ٹھیک کہتی ہے۔ آپ میرے ساتھ مل میں چلیں۔ بھائی جان کا یہ وار خالی جانا چاہئے۔"

ماں بیٹے فلیٹ کے باہر محتاط انداز میں آئے۔ دائیں بائیں آگے پیچھے دیکھتے ہوئے کار میں آکر بیٹھ گئے۔ دور تک کوئی ایسا نظر نہیں آیا جس پر شبہ ہوتا کہ وہ ان کی نگرانی کر رہا ہے۔ اس دوران شائستہ اسرار کی بیوی کے ساتھ ادھر آ رہی تھی۔ لیکن ان کا ایک دوسرے سے سامنا نہیں ہوا۔ ان ماں بیٹے کی روانگی کے پندرہ منٹ کے بعد شائستہ وہاں پہنچی۔ اس نے اچھی طرح پلاننگ کی تھی کہ فلیٹ میں کس حیثیت سے جانا ہے۔ اتنی عقل تھی کہ بیگم کو فلیٹ میں پہنچتے ہی دھوکے کا علم ہو جائے گا کہ بیٹے کی آواز بند نہیں ہوئی ہے' کوئی بہت بڑا فریب دیا جا رہا ہے۔ یہ معلوم ہوتے ہی ماں بیٹے وہاں نہیں رہیں گے لیکن فلیٹ میں ضرور کوئی ہوگا۔ نہ بھی ہوا تو پڑوسیوں سے کچھ معلوم ہو سکتا تھا۔

اسرار کی بیوی نے ایک فائل پکڑی ہوئی تھی۔ شائستہ کے ہاتھ میں ایک کلپ بورڈ اور قلم تھا۔ اس نے دروازے پر دستک دی۔ دوسری دستک پر رضوانہ نے دروازہ کھولا۔ اپنے سامنے دو عورتوں کو سوالیہ نظروں سے دیکھا۔ شائستہ نے کہا "ہمارا تعلق مردم شماری کی ٹیم سے ہے۔ آپ اپنے کنبے کے افراد کی تعداد بتائیں اور نام لکھوائیں۔"

رضوانہ نے کہا "ہم صرف میاں بیوی ہیں۔"

"آپ کا نام۔"

"بیگم رضوانہ وکالت۔"

اس کے ساتھ وکالت کا نام سن کر شائستہ کے دل کو ٹھیس پہنچی۔ وہ لکھنا شروع کرتے ہوئے بولی "اپنے میاں کو بلاؤ۔"

"وہ ابھی باہر گئے ہیں۔"

"اکیلے گئے ہیں؟"

"اپنی امی کے ساتھ گئے ______"

رضوانہ چونک کر بولی "ان سوالات کا مردم شماری سے کیا تعلق ہے؟"

"بہت تعلق ہے۔ ابھی تم نے کہا تھا صرف میاں بیوی ہو۔ اب امی کا ذکر کر رہی ہو۔"

"وہ میری ساس ہیں۔ یہاں ہمارے ساتھ نہیں رہتی ہیں۔"

"اچھا اپنے میاں کا نام لکھواؤ۔"

"وکالت علی خان۔"

شائستہ لکھتے ہوئے بولی۔ "مسٹر وکالت علی خان کے والد کا نام کیا ہے؟"

وہ بولی "ولایت علی خان۔"

شائستہ نے چونک کر پوچھا "کون ولایت علی؟ کیا وہ جو ولایت ملز کے مالک ہیں؟"

وہ بڑے فخر سے بولی "جی ہاں۔ ہم بہت دولت مند ہیں۔"

"لیکن؟" شائستہ نے کہا "ان کے بیٹے وکالت کی شادی تو کوئی چار پانچ برس پہلے ہوئی تھی۔"

رضوانہ گڑبڑائی پھر جلدی سے بولی "جی ہاں۔ ان کی وہ بیوی مر چکی ہے۔"

شائستہ کو تو جیسے آگ لگ گئی۔ وہ برداشت کرتے ہوئے بولی۔ "تم کوئی فراڈ ہو۔ میں کل ہی اس علاقے میں مردم شماری کے لئے گئی تھی۔ کل ہی میں نے وکالت علی کی بیوی سے ملاقات کی ہے۔ اس کوٹھی کے افراد کے نام وغیرہ لکھ چکی ہوں۔ اس خاندان میں تمہارا نام کہیں نہیں آیا اور تم مجھ سے کہتی ہو کہ ولایت علی کی بہو ہو اور اس چھوٹے سے فلیٹ میں رہتی ہو۔"

"اس کوٹھی میں میرا نام اس لئے نہیں لکھوایا گیا کہ کل ہی میری شادی وکالت علی سے ہوئی ہے۔"

"یہ بھی جھوٹ ہے۔ اتنے بڑے خاندان میں تم بہو بن کر آتیں تو کیا کوٹھی والوں کو خبر نہ ہوتی؟"

"تم مردم شماری کی کارکن ہو یا پولیس والوں کی رشتے دار؟ ہمارے خاندانی معاملات کی انکوائری کیوں کر رہی ہو؟"

"میں پولیس والی نہیں ہوں لیکن تھوڑی دیر میں پولیس انکوائری کو آئے گی تو انکشاف ہوگا کہ تم بیوی نہیں ہو' یہاں ایک بڑے باپ کے بیٹے کی داشتہ بن کر رہتی ہو۔"

"یہ جھوٹ ہے۔ میں وکالت علی کی منکوحہ ہوں۔"

"کیا تمہارے پاس نکاح نامہ ہے؟"

"ہاں۔ نہیں' میرا مطلب ہے کل رات نکاح ہوا ہے۔ نکاح نامہ فوراً" نہیں مل جاتا۔ دو چار روز میں ملے گا۔"

"نکاح نامے کے علاوہ بھی کئی ثبوت ہوتے ہیں۔ مثلاً" شادی کی تقریب کی تصویریں اور معزز گواہان وغیرہ۔ ایسا کرو۔ ہمارے ساتھ ولایت علی خان کے پاس چلو۔ وہ تمہیں بہو تسلیم کرلیں گے تو تم قانونی گرفت میں آنے سے بچ جاؤ گی۔"

"نہیں۔ میں نہیں جاؤں گی۔ تم کون ہو؟ کیوں میرے پیچھے پڑ گئی ہو؟"

"اگر تم چاہتی ہو کہ میں پیچھے نہ پڑوں تو میری یہ ساتھی ابھی جاکر پولیس والوں کو بلا لائے گی۔ کیا ان کے ساتھ ولایت علی کے سامنے حاضر ہونا پسند کروگی؟"

وہ دیدے پھاڑ پھاڑ کر شائستہ کو دیکھ رہی تھی۔ پھر بولی "میرا دل کہتا ہے تم کوئی اور نہیں ہو، میری سوکن ہو۔"

اچانک ہی شائستہ نے ایک زور دار طمانچہ رسید کیا۔ پھر کہا۔ "کمینی! تیری کیا اوقات ہے کہ میری سوکن بنے گی۔ تیرے پاس نکاح نامہ نہیں ہے۔ کوئی ثبوت کوئی گواہ نہیں ہے۔ ثبوت حاصل ہونے سے پہلے ہی میں تجھے یہاں سے ذلیل کرتی ہوئی تھانے لے جاؤں گی۔"

وہ گھبرا کر بولی "میں تھانے نہیں جاؤں گی۔ اپنی سچائی ثابت کرنے کے لئے بیگم سعدیہ کے پاس چلنے کو تیار رہوں۔"

"تم دو میں سے کسی ایک جگہ جاؤ گی، تھانے یا مل میں ولایت علی کے پاس، ورنہ پولیس یہاں آئے گی۔"

"مجھے فون کرنے کا موقع دو۔ میں وکالت اور اس کی امی کو بلاؤں گی۔"

"یہ نیک کام میں کرتی ہوں۔"

پھر اس نے اسرار کی بیوی سے کہا "تم اس پر نظر رکھو، یہ فلیٹ چھوڑ کر بھاگنا چاہے تو چیخ و پکار سے لوگوں کو جمع کرلینا، میں قریب ہی سے فون کرکے آتی ہوں۔"

رضوانہ کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ ایسے وقت کیا کرنا چاہئے۔ وہ پولیس تھانے کے چکر میں نہیں پڑنا چاہتی تھی۔ باقاعدہ منکوحہ ہونے کے باوجود پولیس والوں سے گھبراتی تھی۔ شائستہ کے جانے کے بعد اس نے اسرار کی بیوی سے پوچھا "یہ وکالت کو ہی فون کرنے گئی ہیں نا؟"

وہ بولی "میرا خیال ہے یہ فون نہیں کریں گی۔ سیدھی مل جائیں گی اور وکالت صاحب کو پکڑ کر یہاں لائیں گی۔"

رضوانہ نے مطمئن ہو کر کہا "پھر تو اچھی بات ہوگی۔ میری پارسائی کا ثبوت میرا شوہر ہی دے گا۔"

شائستہ اپنی کار میں سیدھی قریبی تھانے پہنچی۔ انسپکٹر سے اپنا تعارف کرایا۔ انسپکٹر کو معلوم ہوا کہ وہ ایک بہت بڑے مل اونر کی بہو ہے تو اس نے عزت سے بیٹھنے کو کہا۔ وہ

بولی "پلیز آپ میرے ساتھ میری کار میں چلیں۔ میں آپ کا وقت ضائع نہیں کروں گی۔ آپ کے ایک ایک منٹ کا معاوضہ دوں گی۔"

اندھا کیا چاہے دو آنکھیں۔ انسپکٹر نے پہلے ہی تاڑ لیا تھا کہ موٹی اسامی ہے۔ وہ کار میں آکر بیٹھ گیا۔ شائستہ نے مختصر طور پر اسے بتایا۔ "رضوانہ نام کی عورت دعوے کرتی ہے کہ وکالت سے شادی کی ہے اور فی الحال نکاح پڑھائے جانے کا ثبوت نہیں ہے۔ میں چاہتی ہوں جب تک ثبوت نہ ملے آپ اسے بدکاری کے الزام میں میرے شوہر کے ساتھ حوالات میں بند کردیں۔"

یہ کہہ کر اس نے انسپکٹر کے سامنے ڈیش بورڈ کے خانے کو کھول دیا۔ اس کے ساتھ ہی انسپکٹر آنکھیں کھل گئیں۔ اس خانے میں بڑے نوٹوں کی گڈیاں رکھی ہوئی تھیں۔ وہ بولی "ہر گڈی پانچ ہزار کی ہے۔ دو گڈیاں اٹھالیں۔ یہ پیشگی ہے۔ ان دونوں کو حوالات میں بند کریں اس کے بعد مزید بیس ہزار دوں گی۔ جب تک کوئی عدالت سے ضمانت نامہ نہ لائے انہیں رہا نہ کریں۔"

"سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ تو سیدھا بدکاری کا کیس ہے۔ ایسے بدکاروں کی ضمانت بھی قبول نہیں کی جاتی۔"

"اگر نکاح نامہ ہوا تو وہ کل سے پہلے پیش نہیں کر سکیں گے۔"

"محترمہ! آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کا پرابلم سمجھ گیا ہوں۔ آپ چاہتی ہیں شوہر کو گمراہی کی سزا ملے اور ساتھ ہی سوکن کے بھی ہوش ٹھکانے آجائیں۔ یہ تو کوئی بڑی بات نہیں ہے۔ آپ رقم بڑھائیں، میں سوکن سے ہی نجات دلا دوں گا۔"

وہ کار اسٹارٹ کرکے فلیٹ کی طرف سے ڈرائیو کرتے ہوئے بولی "اگر واقعی میرے میاں نے چھپ کر نکاح پڑھوایا تو میں سوکن سے ضرور نجات چاہوں گی۔ اس کے لئے منہ مانگا معاوضہ دوں گی۔"

اس نے فلیٹ کے سامنے کار روکی۔ پھر انسپکٹر کے ساتھ سیڑھیاں چڑھتی ہوئی دوسری منزل پر آئی۔ دروازے پر دستک دی۔ دروازہ فوراً" ہی کھل گیا۔ انسپکٹر کو دیکھتے ہی رضوانہ کے حلق سے چیخ نکل گئی۔ وہ جلدی سے آنچل میں منہ چھپانے لگی۔ شائستہ نے کہا۔ "آج حوالات کی ہوا کھاؤ۔ کل سے دنیا والوں سے منہ چھپاتی پھرو گی۔"

انسپکٹر نے شائستہ سے کہا "محترمہ! بے شرمی کرنے والیاں دنیا سے نہیں صرف پولیس والوں سے منہ چھپاتی ہیں۔ یہ تین بہنیں ہیں۔ تینوں کال گرلز ہیں۔ شہر کی ایسی تمام لڑکیاں کے چہرے نام اور فون نمبرز ہماری یادداشت میں محفوظ رہتے ہیں۔ ویسے یہ دوسری کون ہے؟"

"یہ میری معاون ہے۔ آپ نے یہ کہہ کر دل خوش کر دیا کہ یہ کال گرل ہے۔"

رضوانہ نے دونوں ہاتھ جوڑ کر کہا "میں قسم کھاتی ہوں۔ اس بار میں نکاح پڑھوا کر آئی ہوں۔ مجھے موقع دیں کل تک نکاح نامہ پیش کر دوں گی۔"

شائستہ نے کہا "اب ہزار نکاح نامے آجائیں۔ ولایت علی خان تمہاری جیسی بازاری عورت کو بہو تسلیم نہیں کریں گے۔"

پھر وہ انسپکٹر کے ساتھ دوسرے کمرے میں آکر بولی "اس کی باتوں سے یقین ہوتا ہے کہ میرے شوہر نے دھوکا کھا کر اس سے نکاح پڑھوایا ہے۔ یہ جانتی ہوں کہ اباجان اسے بہو تسلیم نہیں کریں گے لیکن یہ قانوناً بہو ہے۔ آپ کوشش کریں کہ یہ میرے میاں کا پیچھا چھوڑ دے۔ طلاق لے لے۔ آپ نہیں جانتے میری کار کے ڈیش بورڈ میں کتنی رقم ہے۔ میں بھی نہیں بتاؤں گی ____ آپ اندازہ کریں۔ ادھر طلاق لے گی۔ ادھر وہ ساری رقم آپ کی ہوگی۔"

انسپکٹر کا اندازہ تھا کہ پچاس ہزار سے زیادہ ڈیش بورڈ کے خانے میں ہیں اور یہ عورت اپنے خاوند کو اور خاوند کے اونچے خاندان کو جیتنے کے لئے اتنی بڑی رقم ہارنے کو تیار ہے۔

انسپکٹر شائستہ کی گاڑی میں رضوانہ کو لے کر تھانے میں آیا۔ شائستہ نے کہا "انسپکٹر! میری شرط یاد رکھیں۔ اس کے ساتھ وکالت صاحب کو بھی حوالات میں رکھنا ہوگا۔"

انسپکٹر نے رضوانہ سے کہا "وکالت کو فون کرو۔ جیسا میں کہتا ہوں وہی کہو۔ اس سے کہنا تم احتیاطاً فلیٹ چھوڑ کر ماں کے گھر آگئی ہو۔ وہ فوراً آکر ملے۔ شائستہ بیگم کی ایک بہت بڑی کمزوری ہاتھ آگئی ہے۔ اس کمزوری کے باعث وہ ہمیشہ تم دونوں کی کنیز بن کر رہے گی۔"

رضوانہ نے کہا "حضور! ہماری امی اپنے علاقے کے آفیسر کو اسی لیے بھتہ دیتی ہیں کہ آپ لوگ ہمیں پریشان نہ کریں۔ وہ آپ کا حصہ بھی دے سکتی ہیں۔ پلیز آپ پہلے میری امی سے بات کرلیں۔"

"ضرور کروں گا۔ تمہارے فون کے مطابق وکالت تمہاری ماں کے پاس آئے گا۔ میں وہیں جاکر دونوں سے نمٹ لوں گا۔"

اس نے مجبور ہوکر فون کیا۔ وکالت دفتر میں تھا۔ اس نے فون پر رضوانہ کی باتیں سن کر کہا "میں ابھی آرہا ہوں۔"

رابطہ ختم ہوگیا۔ انسپکٹر نے حوالدار سے کہا کہ رضوانہ کو لاک اپ میں رکھے۔ پھر اپنی جیپ میں چند سپاہیوں کو لے کر رضوانہ کے میکے کی طرف چلاگیا۔ وہ سلاخوں کے پیچھے کھڑی ہوئی تھی۔ شائستہ نے پوچھا "کیوں بڑے گھر کی بہو! اب تمہارا کیا خیال ہے۔ تمہیں ولایت علی کے خاندان میں جگہ مل سکے گی؟"

اس نے جواب دیا "میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتی۔ میری امی جوڑ کا توڑ جانتی ہیں۔ میری ساس نے پانی کی طرح رقم بہانے کی ہمت کی تو میں تمہیں دودھ میں سے مکھی کی طرح نکال پھینکوں گی۔"

"یہ تو آنے والا وقت بتائے گا کہ کون کسے نکال کر پھینکتا ہے۔ ویسے یہ سوال ہم دو عورتوں کے درمیان ہے اس کا جواب دو۔ کیا وکالت میں باپ بننے کی صلاحیت ہے؟"

وہ دونوں ہاتھوں سے آہنی سلاخوں کو تھام کر ہنسنے لگی- پھر ہنستی چلی گئی- شائستہ اس کی ہنسی میں یہ چیلنج محسوس کر رہی تھی کہ وہ ماں بن سکتی ہے- اس کی ہنسی کے پیچھے یہ عزم تھا کہ کوئی سا بادل گرجے' کوئی سا بادل برسے' دھرتی ضرور جل تھل ہوگی- وہ کال گرل ہے' جہاں جائے گی وہاں سے ہری بھری ہو کر آجائے گی اور وہ ہریالی وکالت علی کے نام کردے گی-

شائستہ نادان نہیں تھی- وہ جانتی تھی کہ وکالت علی جیسے مردوں کو کس طرح الو بنایا جاسکتا ہے اور رضوانہ کی طرف سے یہ بات پکی ہوگئی تھی کہ سوکن بن کر رہی تو وکالت کو بڑی آسانی سے احمق بناتی رہے گی-

وہ سر جھکائے رضوانہ کی طرف سے منہ پھیر کر جانے لگی- رضوانہ نے ہنستے ہوئے پوچھا "کیا ہوا؟ کیا میری ہنسی نے تمہیں سمجھا دیا ہے کہ ماں بننا ہنسی مذاق نہیں ہے؟ بھئی سچ پوچھو تو میں دعا کی قائل نہیں ہوں جب بھی ماں بنوں گی دواؤں سے بنوں گی- بانجھ پن کا علاج بہت آسان ہے-"

وہ سر جھکائے انسپکٹر کے دفتری کمرے میں آکر بیٹھ گئی- گہری سوچ میں ڈوب گئی- وہ ساس سے لڑ رہی تھی سوکن کو زیر کر رہی تھی وہ حوصلہ ہارنا نہیں جانتی تھی- صرف ایک بچے کی کمی سے کمزور بن رہی تھی اور یہ کمی پوری نہیں ہو پارہی تھی- عقل کہہ رہی تھی جب تک کمی پوری نہیں ہوگی' رضوانہ کے بعد بھی تیسری چوتھی سوکن کی آمد کا دھڑکا لگا رہے گا- وہ خود ایک بچے کی پرورش اپنے خون میں کرنے اور اسے اپنا دودھ پلانے کے لیے بے چین رہتی تھی اور خوب سمجھتی تھی کہ بے چینی اس کا حل نہیں ہے پھر حل کیا ہے؟

وہ خیالات سے چونک گئی- تھانے میں اس کا مجازی خدا آیا تھا- انسپکٹر کے ساتھ رضوانہ کی ماں اور بیگم سعدیہ بھی تھیں- وہاں شائستہ کو دیکھتے ہی سب کے سب چونک گئے- وکالت بوکھلا کر بولا "تم تم یہاں؟"

وہ بولی "پریشان کیوں ہو؟ تم یہاں آسکتے ہو تو کیا میں نہیں آسکتی؟"

"انسپکٹر آپ نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ یہ بھی یہاں موجود ہے؟" سعدیہ بولیں-

"میں آپ کو بتانے کا پابند نہیں تھا- کیا دونوں بہوؤں کو تھانے میں دیکھ کر خوشی نہیں ہو رہی ہے؟

اور زیادہ خوش ہونا چاہیں تو آپ کے شوہر کو بھی بلا لوں گا-"

وہ گھبرا کر بولیں "نہیں' خدا کے لئے بات نہ بڑھائیں' بات یہیں ختم کردیں-"

شائستہ نے کہا "بات آگے بڑھے گی-"

بیگم نے پریشان ہوکر کہا "انسپکٹر صاحب! یہ رضوانہ کی ماں کبھی میری کلاس فیلو تھی-

شریف گھرانے سے تعلق رکھتی تھی- مجھے کیا معلوم تھا کہ برسوں کے بعد یہ شرمناک دھندا کرنے والی عورت نکلے گی- مجھ سے انجانے میں غلطی ہوگئی- میں اس کی تلافی کرنے کو تیار ہوں-"

شائستہ بولی "انسپکٹر صاحب! پہلی بیوی کی میڈیکل رپورٹ یا اس کی اجازت حاصل کیے بغیر میرے شوہر نے مجھے دھوکا دے کر شادی کی- اب یہ شادی قانونی ہے یا غیر قانونی اس کا فیصلہ عدالت میں ہوگا- جب نکاح پڑھانے والے قاضی کو معلوم ہوگا کہ اس نے ایک بازاری لڑکی کا نکاح پڑھایا ہے تو وہ قاضی بھی اس نکاح کو منسوخ کرنے کی قانونی کاروائی کرے گا-"

بیگم سعدیہ اور وکالت ڈھیلے پڑگئے- اچھی طرح سمجھ میں آگیا کہ موجودہ دلدل سے صرف شائستہ ہی نکال سکتی ہے- وکالت نے غصے سے ماں کو دیکھتے ہوئے کہا "آپ نے کن بازاریوں میں مجھے پھنسا دیا ہے- خاندان کی عزت کو خاک میں ملا دیا ہے-"

انسپکٹر نے کہا "وکالت میاں! ابھی کہاں پھنسے ہو؟ پھنسنے والے ہو- نکاح غیر قانونی ہوگا تو بدکاری کے الزام میں کوڑے کھاؤ گے سنگسار کیے جاؤ گے-"

ماں کا کلیجہ کانپ گیا- بیٹا سہم کر بیوی کو دیکھنے لگا- بیوی نے کہا- "ایک بہو کی حیثیت سے خاندان کی عزت بچانا میرا فرض ہے لیکن آج کے بعد بیٹا پھر ماں کی باتوں میں آکر شادیاں کرے گا تو میں کب تک ان لوگوں کی عزت بچاتی رہوں گی؟"

وہ جلدی سے قریب آکر شائستہ کا ہاتھ تھام کر گڑگڑاتے ہوئے بولا "میں قسم کھاکر کہتا ہوں ایسی نادان ماں کی باتوں میں پھر کبھی نہیں آؤں گا- میں کبھی دوسری شادی نہیں کروں گا- ابھی سب کے سامنے رضوانہ کو لکھ کر طلاق دیتا ہوں-"

وہ حوالدار سے کاغذ قلم لے کر لکھنے لگا- طلاق نامہ مکمل ہونے کے بعد رضوانہ' اس کی ماں اور بیگم سعدیہ نے بھی اس پر دستخط کیے- انسپکٹر نے اس کیس کو اوپر ہی اوپر نمٹا کر انہیں جانے دیا- صرف شائستہ رہ گئی- اس نے تنہائی میں ڈیش بورڈ کے خانے کی تمام رقم انسپکٹر کے حوالے کی پھر اس کا شکریہ ادا کرکے وہ بھی گھر آگئی-

، وکالت خواب گاہ میں سر جھکائے بیٹھا ہوا تھا- جب وہ آکر بستر کے سرے پر بیٹھی تو وہ سامنے آیا اور سر جھکا کر کھڑا ہوگیا- شائستہ نے اسے نظریں اٹھا کر دیکھا- وہ یکلخت گھٹنے ٹیک کر بیوی کے گھٹنوں سے لپٹ کر رونے لگا- بیوی خاموش بیٹھی رہی- وہ روتے روتے کہنے لگا- "میں نالائق ہوں امی کو عقلمند سمجھ کر تم سے بے وفائی کرتا رہا-"

"تمہاری بے وفائی میں تمہاری امی کی بد دماغی ضرور شامل ہے لیکن اس سے زیادہ ایک نئی عورت کو حاصل کرنے کی ہوس رہی ہے-"

"تم درست کہتی ہو ہر بات عقل سے سمجھتی ہو- اب میں ہر عورت کو ماں بہن سمجھتا

رہوں گا۔"

"میں کیسے یقین کروں کہ دل سے توبہ کر رہے ہو؟"

"تم جس طرح چاہو آزمالو۔"

وہ پرس میں سے ایک کاغذ نکال کر اسے دیتے ہوئے بولی "یہ طلاق نامے کی فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے اسے ابا جان کے پاس لے جاکر انہیں پوری ہسٹری سنادو۔ ان کے سامنے توبہ کرکے وعدہ کرو۔ آئندہ صرف کاروبار میں دل لگاؤ گے اور عشق و ہوس میں نہیں پڑو گے۔"

وہ ہچکچاتے ہوئے بولا "کیا یہ ضروری ہے؟ ابا جان ان معاملات سے بے خبر ہیں۔ انہیں بے خبر رہنے دو۔"

"تم باپ سے بات چھپانا چاہتے ہو تو پھر یہ بیوی کس گنتی میں ہے؟ آئندہ پھر دھوکا دو گے۔"

"نہیں، میں کبھی دھوکا نہیں دوں گا۔ تم جو کہو گی وہ کروں گا۔"

وہ کاغذ لے کر چلا گیا۔ شائستہ مسکرانے لگی۔ دراصل وہ چاہتی تھی کہ اس گھر کے ایک بزرگ کے سامنے بیٹے کے ذریعے ماں کی حماقتیں کھل کر سامنے آجائیں۔ یہ ہر گھر میں ہوتا ہے۔ ساس جس قدر نیچے گرتی ہے، بہو کو اتنا ہی عروج حاصل ہوتا ہے۔

شائستہ نے یہ میدان مار لیا تھا۔ ولایت علی کے سامنے جب تمام واقعات سنائے گئے تو انہوں نے بیگم سعدیہ کو بہو کے سامنے بُری طرح ذلیل کیا۔ شائستہ نے تھانے میں ہی معاملات ختم کرکے خاندان کو بدنامی سے بچایا تھا۔ اس لیے اس کا مان بڑھ گیا۔ پھر ولایت علی نے دیکھا کہ وکالت بانس کی طرح سیدھا ہوگیا ہے۔ پوری ذمے داری سے کاروبار میں دلچسپی لینے لگا ہے تو شائستہ کی اور زیادہ قدر ہونے لگی۔

انہوں نے صاف صاف کہہ دیا۔ شائستہ ماں بنے یا نہ بنے۔ وکالت دوسری شادی نہیں کرے گا۔ اس سے اولاد نہ ہو کوئی بات نہیں صداقت تو موجود ہے۔ اس کے لیے کئی اونچے خاندان میں لڑکیاں دیکھی جارہی تھیں۔ شائستہ نے کہا "ابا جان! میں وکالت کے ساتھ یورپ اور امریکہ گھوم کر آنا چاہتی ہوں۔ پھر صداقت بھائی کی شادی کی تیاریاں شروع ہوں گی تو باہر جانے کا موقع نہیں ملے گا۔"

ولایت علی نے اجازت دے دی۔ وکالت بہت خوش تھا۔ اس نے ماں سے کہا "آپ نے مجھے پیدا کیا ہے۔ پیدا تو بکریاں اور بھینسیں بھی کرتی ہیں۔ انسان اور حیوان میں یہ فرق ہے کہ ماں اپنے بچے کو صرف پیدا ہی نہیں کرتی اچھی تعلیم و تربیت دیتی ہے۔ ذہانت سکھاتی ہے اور یہ کام شائستہ نے کیا ہے۔"

"ارے تو اسی کو اماں بنالے۔ میں تو سدا کی بدنصیب ہوں۔ اچھا کرتی ہوں ترا ہوجا

ہے۔ ہزار بار کہہ چکی ہوں کہ رضوانہ سے دھوکا کھاگئی تھی۔ کیا ہمیشہ دھوکے کھاکر ہی تیری پرورش کرتی رہی ہوں؟ دودھ میں نے پلایا ہے انگلی پکڑ کر چلنا میں نے سکھایا ہے۔ تعلیم میں نے دلائی ہے۔ اتنی بڑی مل میں تیرے حق کے لیے میں لڑتی آئی ہوں مگر تو صرف ایک غلطی کو سامنے رکھ کر میری برسوں کی ممتا کو مٹی میں ملا رہا ہے۔"

"میں آپ کی محبت سے انکار نہیں کر رہا ہوں لیکن اندھی ممتا اولاد کی تباہی کا باعث بنتی ہے۔"

"ہاں اب تو تُو مجھے اندھی ہی کہے گا۔ کچھ عرصے بعد پوچھوں گی جب صداقت کے ہاں اولاد ہوگی اور تو اولاد سے محروم رہے گا۔ اگر سوتیلے کے بچے کو گود میں نہیں لے گا تب بھی اپنے بعد مل کا تمام حصہ اسی کی اولاد کو دے کر دنیا سے جانا ہوگا۔"

یہ بات دل پر گھونسے کی طرح لگتی تھی کہ اپنے حصے کی تمام دولت اور جائداد سوتیلے بھائی کی اولاد کو ملے گی۔ اس نے شائستہ کے پاس آکر پوچھا "کیا تم بھی یہی چاہتی ہو کہ ہماری موت کے بعد دنیا میں ہمارا کچھ نہ رہے؟"

"ایسا کوئی عورت نہیں چاہتی، میں ہر عورت کی طرح چاہتی ہوں کہ جسے میں جنم دوں، اسے ساری دنیا کا حکمران بنادوں۔ اگر ایسا نہ کرسکوں تو اپنے بچوں کو کم از کم ولایت ٹیکسٹائل ملز کا مالک بنادوں۔"

"ہمارے آباؤ اجداد کا شجرہ بیویاں ہی آگے بڑھاتی ہیں۔ مگر تم اس معاملے میں مجبور ہو۔"

"میری زندگی میں مجبوری اور بے بسی نام کی کوئی چیز نہیں ہے۔ میں اس خاندان کا وارث ضرور پیدا کروں گی۔"

"کیسے کروگی؟ کیا قدرت سے لڑوگی؟"

"انسان قدرتی حالات سے لڑتے لڑتے آج کے ترقی یافتہ دور تک پہنچا ہے۔"

"آخر تم نے سوچا کیا ہے؟ کرنا کیا چاہتی ہو؟"

"یہ میں سفر کے دوران کل بتاؤں گی۔"

وہ دوسرے دن نیویارک کے لیے روانہ ہوئے۔ جب طیارہ فضا میں معمول کے مطابق پرواز کرنے لگا تو وکالت نے پوچھا "تم نے مجھے تجسس میں مبتلا کردیا ہے، اب تو بتاؤ بچے کے لیے کیا سوچ رہی ہو؟"

شائستہ نے پوچھا "تم ٹیوب بے بی کے متعلق کیا جانتے ہو؟"

"جاننا کیا ہے یہ سراسر ناجائز اولاد ہوتی ہے؟"

"ناجائز اسے کہتے ہیں جو گناہ کی پیداوار ہو اور گناہ اس وقت ہوگا جب کوئی غیر مرد میرے بدن کو ہاتھ لگائے گا۔"

وہ قائل ہو کر بولا "ہاں کوئی ہاتھ نہ لگائے تو ٹھیک ہے۔ لیکن ..."

"لیکن یہ کہ تم بانجھ نہیں ہو میں بانجھ ہوں تم باپ بن سکتے ہو میں ماں نہیں بن سکتی۔"

"تم یہ کیسے کہہ سکتی ہو؟"

"میں چپ چاپ اپنا معائنہ کرا چکی ہوں۔ میڈیکل رپورٹ کے مطابق میں بانجھ ہوں ماں نہیں بن سکتی۔"

وکالت کو غیر شعوری طور پر اپنی برتری کا احساس ہوا اور خوشی ہوئی کہ شائستہ کھلے دل سے اپنے ایک نقص کو تسلیم کر رہی ہے۔ اس نے پوچھا "پھر کیسے ماں بنوگی؟"

"جس کھیتی میں فصل نہیں ہوتی اس میں دوسری جگہ سے کھاد لاکر ڈالتے ہیں۔ کوئی ایسی عورت جو بانجھ نہ ہو ایک آدھ بچہ پیدا کر چکی ہو' اس کے بیضا مجھ میں منتقل کیے جائیں تو میں تمہارے ذریعے ماں بن سکوں گی۔"

"میرے ہی ذریعے بن سکوگی نا؟"

"بالکل ہم وہاں ڈاکٹر سے کنسلٹ کریں گے۔ ڈاکٹر تمہیں وضاحت سے بتائے گا کہ عورت زرخیز ہو اور مرد بانجھ ہو تو طبی ذرائع سے کسی غیر کا مادہ تولید زرخیز عورت میں منتقل کیا جاتا ہے اور اگر میری طرح عورت بانجھ ہو اور تمہاری طرح مرد زرخیز ہو تو کسی دوسری زرخیز عورت کے بیضا مجھ میں منتقل کیے جائیں گے۔ اس معاملے میں کسی اور مرد کی مداخلت نہیں ہوتی۔ میں تمہاری ہی اولاد پیدا کروں گی۔"

وہ خوش ہو کر بولا "پھر تو مسئلہ ہی حل ہو گیا۔ تعجب ہے میں نے پہلے ٹیوب بے بی کے متعلق کیوں نہیں سوچا۔"

"اس لیے کہ اس سلسلے میں تمہاری معلومات محدود ہیں۔ تمہاری طرح بہت سے لوگ یہی سمجھتے ہیں کہ صرف غیر مرد کا مادہ تولید کسی عورت کی جنین میں فرٹیلائز کیے جاتے ہیں۔ بے شک ایسا اس وقت ہوتا ہے جب شوہر بانجھ ہو اس کی کئی طبی راہیں ہیں۔ جو راہ ہم اختیار کریں گے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔"

شائستہ نے نیویارک پہنچ کر ایک معروف لیڈی ڈاکٹر سے ملاقات کا وقت مقرر کیا پھر وکالت سے کہا "یہ عورتوں کے معاملات ہیں۔ اس لیے لیڈی ڈاکٹر پہلی بار تنہائی میں مجھ سے ملاقات کرے گی۔ دوسری ملاقات میں وہ تم سے گفتگو کرے گی اور تمام طریقہ کار سے آگاہ کرے گی۔"

"ٹھیک ہے میں ویٹنگ روم میں بیٹھا رہوں گا۔"

"میری ایک بات مانوگے؟"

"تم اولاد کی خوشخبری دے رہی ہو بھلا تمہاری بات کیوں نہیں مانوں گا بولو۔"

"اپنی امی اور ابا جان کو اس سلسلے میں کچھ نہ بتانا انہیں یہی سمجھنے دینا کہ اولاد قدرتی طور سے ہوئی ہے۔"

"ان سے حقیقت کیوں چھپانا چاہتی ہو؟"

"ہمارے ہاں یہ آنکھ بند کر کے مان لیا گیا ہے کہ ٹیوب بے بی گناہ کی پیداوار ہے۔"

"ہم اپنے بزرگوں کو سمجھائیں گے۔"

"وہ نہیں سمجھیں گے۔ ایک ہی بات کو بنیاد بنائیں گے کہ ہماری اولاد قدرت کا عطیہ نہیں ہے۔ طب اور سائنس کی مرہون منت ہے۔ وہ ہماری اولاد کو شاید قبول کرلیں لیکن صداقت بھائی کی اولاد کے مقابلے میں کمتر سمجھتے رہیں گے اور میں اپنی اولاد کی سبکی اور کمتری برداشت نہیں کرسکوں گی۔"

یہ بات دل کو لگی۔ وہ تائید میں سر ہلا کر بولا "تم دور کی سوچتی ہو اور پکی بات سوچتی ہو۔ میں امی اور ابا جان کو اس سلسلے میں نہیں بتاؤں گا۔"

وہ دوسرے دن ملاقات کے لیے لیڈی ڈاکٹر کے پاس آئی۔ اسے اپنی پوری ہسٹری سنائی۔ خصوصاً یہ بتایا کہ مسلمان ٹیوب بے بی کے عمل کو گناہ سمجھتے ہیں۔ پاکستانی معاشے میں ایسے والدین اور بچوں کو حقارت کی نظروں سے دیکھا جائے گا۔ لہٰذا یہ عمل راز داری سے ہوگا تو وہ ضرور ہر قیمت پر ماں بنے گی۔

لیڈی ڈاکٹر نے پوچھا "تم کیسی رازداری چاہتی ہو؟"

وہ بولی "میرے شوہر کو صرف یہ بتایا جائے کہ وہ نارمل ہے اور میں بانجھ ہوں۔ صرف میرا علاج کیا جائے گا اس کے بعد میں اپنے شوہر وکالت علی کے بچوں کی ماں بن سکوں گی۔"

"تم اپنے شوہر کو رازدار کیوں نہیں بنالیتیں؟"

"وہ بیک ورڈ ہے۔ ناخواندہ اور دقیانوسی خیالات کا حامل ہے۔ میں یہ خوشی اسے دینا چاہتی ہوں کہ مجھ سے ہونے والے بچے اس کے ہوں گے۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "میں چاہتی تو یہاں ہزاروں میل دور نہ آتی۔ پاکستان میں ہی گناہ گار بن کر شوہر کو دھوکا دیتی لیکن میرا ضمیر گوارا نہیں کرتا۔ میں نہیں چاہتی کہ کوئی غیر مرد میرے بدن کو ہاتھ لگائے۔ میری پاکیزگی' میری شرافت اور میری نیک نیتی کو خدا جانتا ہے۔ یہ بدن جو میرے شوہر کا ہے اسے میں کسی کو نہیں دوں گی لیکن شوہر کے خاندانی شجر کو پھلنے پھولنے کے لیے کہیں سے بھی کھاد لاکر اس کی جڑوں میں ڈالوں گی۔"

ڈاکٹر نے کہا "میں تم سے تعاون کروں گی تمہیں یہاں کم از کم تین ماہ تک قیام کرنا ہوگا۔ ہو سکتا ہے ایک ماہ میں نتیجہ ظاہر ہو جائے۔ لیکن وقتاً فوقتاً چیک اپ ضروری ہے۔"

"تین ماہ کا عرصہ بہت ہوتا ہے میرا شوہر کاروبار چھوڑ کر یہاں نہیں رہ سکے گا۔ آپ کچھ ایسا کریں کہ میں ضروری مراحل سے گزر کر چلی جاؤں پھر ایک دو ماہ بعد میڈیکل چیک اپ کے لیے آجاؤں۔"

"ایسا ممکن ہے، کل اپنے شوہر کو لاؤ۔ میں تمہارے کیس کو تمہارے نقطہ نظر سے اس کے سامنے بیان کروں گی پھر کل سے ہی تمہارے ٹیسٹ شروع ہوجائیں گے۔"

دوسرے دن وکالت بیوی کے ساتھ لیڈی ڈاکٹر کے پاس آیا۔ وہ ذرا نروس تھا انگریزی کسی حد تک سمجھ لیتا تھا اور اٹک اٹک کر بول لیتا تھا لیکن لیڈی ڈاکٹر کی باتیں اس کے پلے نہیں پڑیں کیونکہ وہ گفتگو کے دوران طبی اصطلاحات استعمال کر رہی تھی اور وہ "یس یس" کہتا ہوا یوں سر ہلا رہا تھا جیسے پورا میڈیکل کورس سمجھ چکا ہو۔ بہرحال شائستہ اسے شادی سے پہلے ہی جدھر موڑتی تھی ادھر وہ مڑتا آیا تھا۔ اس بار بھی اس نے وکالت کو اپنے سانچے میں ڈھال لیا۔

انہوں نے وہاں ایک ماہ تک قیام کیا۔ شائستہ ہر ہفتہ یا دس دن بعد اسپتال میں دو چار روز کے لیے داخل ہوتی تھی پھر وکالت کے ساتھ دن رات گزارتی تھی۔ ایک ماہ کے بعد لیڈی ڈاکٹر نے کہا "تم ماں بننے والی ہو۔ ایسے مرحلے میں تمہیں ہماری نگرانی میں رہنا چاہیے۔ پندرہ بیس دن اور یہاں قیام کرو۔"

وکالت نے کہا "ایسی خوشخبری سننے کے بعد تو ہم یہاں نو ماہ تک بھی رہ جائیں گے۔ میں ابھی ابا جان سے بات کرتا ہوں۔"

اس نے فون پر رابطہ کیا۔ ولایت علی کو دادا بننے کی خوشخبری سنائی۔ باپ نے بے انتہا خوشی کا اظہار کیا۔ بیٹے نے کہا "شائستہ بہت کمزور ہوگئی ہے۔ ڈاکٹر نے یہاں اور ایک ماہ رہنے کا مشورہ دیا ہے۔ آپ پچیس لاکھ کا چیک بھیج دیں۔ میں یہاں آپ کے اکاؤنٹ سے رقم حاصل کرلوں گا۔ شائستہ کی طبیعت سنبھلتے ہی واپس آجاؤں گا۔"

یہ خوشخبری بیگم سعدیہ کے کانوں میں پڑی تو وہ چند لمحوں تک سکتے میں رہ گئیں۔ ولایت علی نے پوچھا "کیا ہوا؟ کیا تمہیں خوشی نہیں ہوئی؟"

"آں؟ ہاں مگر یقین نہیں آرہا ہے۔ وہ ماں کیسے بن رہی ہے؟"

"اللہ کی دین ہے اور کیا؟"

"اللہ اچانک کیسے دے رہا ہے؟"

"کیا اللہ میاں تم سے پوچھ کر دیں گے۔ پانچ برس کے انتظار کے بعد بہو کی گود بھر رہی ہے اور یہ تمہارے لیے اچانک ہے یعنی بچہ جلدی آرہا ہے یا تم سے پوچھے بغیر آرہا ہے!"

"آپ تو الٹی سیدھی ہانکنے لگتے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں مجھے خوشی نہیں ہو رہی ہے؟

میرا بیٹا باپ بننے والا ہے۔"

وہ بولتے بولتے سوچنے لگیں۔ امریکہ سے یہاں گندم آسکتا ہے تو کیا بچے نہیں آسکتے؟ لیکن گندم سود اور قرض پر آتی ہے۔ وہ بچہ کس سے قرض لیا گیا ہے؟

بیگم سعدیہ کا دھیان ٹیوب بے بی کی طرف نہیں گیا لیکن دل کہہ رہا تھا کہ بہو کوئی فراڈ کر رہی ہے۔ وکالت کو رازدار بنا کر کسی کی اولاد گود لینے والی ہے۔ علاج کے بہانے نو ماہ وہاں رہ جائے گی اور کسی کا بچہ گود میں لے آئے گی۔ وہ بولیں "دیکھئے جی! بہو کو ایک ماہ کے بعد یہاں آنا چاہیے۔ وہ زچگی تک ہماری آنکھوں کے سامنے رہے گی۔"

"وہ ایک ماہ بعد ہمارے بیٹے کے ساتھ آجائے گی۔"

واقعی ایک ماہ بعد وہ وکالت کے ساتھ آگئی۔ بیگم سعدیہ نے اسے بہت غور سے دیکھا۔ وہ مسکرا کر بولی "پیاری امی جان! کچھ دیکھنا ہے تو اور ایک دو ماہ انتظار کریں۔ آنکھیں پھاڑنے سے میرا پیٹ نہیں پھولے گا۔"

بیگم سعدیہ کو حماقت کا احساس ہوا کہ وہ دو ماہ میں ظاہری آثار دیکھنا چاہتی تھیں۔ اس حماقت کے ظاہر ہونے پر تلملا کر بولیں "مجھے کیا پڑی ہے کہ تمہارا پیٹ دیکھوں۔ مجھے تو پوتا چاہیے۔ اس خاندان میں ہمیشہ پہلے نر اولاد ہوتی ہے۔"

شائستہ نے کہا "نر اولاد کے لیے اللہ میاں سے کہنا ہوگا اور یہ کہنے کے لیے آپ کو اللہ میاں کے پاس جانا ہوگا۔"

وہ غصے سے آگ بگولہ ہوکر بولیں۔ "میں کیوں جاؤں، تم جاؤ اللہ کرے کھڑی فنا ہوجاؤ۔"

وکالت نے کہا "یہ کیا ہو رہا ہے امی؟ اولاد کی امید پوری ہو رہی ہے تو آپ شائستہ کو مرنے کی بد دعا دے رہی ہیں۔"

"اور وہ جو مجھے مرنے کی بد دعا دے رہی ہے؟"

"یہ کہہ رہی ہے کہ آپ اللہ میاں کے پاس نر اولاد کی دعا مانگیں۔ اس میں مرنے کی بات کہاں سے آگئی۔ کیا آپ کچھ مانگنے ابا جان کے پاس نہیں جاتی ہیں؟ کیا ہم کچھ طلب کرنے اللہ میاں کے پاس مسجد میں نہیں جاتے ہیں؟"

شائستہ نے کہا "امی جائے نماز بچھا کر دعا مانگنے بیٹھیں گی تو معلوم ہوگا کہ اللہ میاں کے حضور میں ہیں مگر یہ میری بات کا مطلب غلط لے رہی ہیں جس کی جیسی نیت ہوتی ہے ویسی ہی بات سمجھ میں آتی ہے۔"

بیگم نے تنبیہہ کے انداز میں انگلی اٹھا کر کہا "دیکھ شائستہ! میرے منہ نہ لگنا۔"

وہ جاتے ہوئے بولی "آپ برش کرکے آئیں گی تب بھی منہ نہیں لگوں گی۔"

بیگم سعدیہ ایسے موقعوں پر شعلوں میں سلگنے لگتی تھیں۔ بہو گفتار کی غازی تھی اور

رفتار میں پیچھے چھوڑ جاتی تھی- اس نے ساس کی لائی ہوئی دوسری بہو کو کوٹھی میں قدم نہیں رکھنے دیا تھا- باہر ہی باہر اسے طلاق دلوادی تھی- پھر ناممکن کو ممکن اور انہونی کو ہونی بنا رہی تھی- جیسے جیسے وقت گزر رہا تھا ماں بننے کے آثار پیش کرتی جارہی تھی- مرد کامیاب ہوکر سینہ تان کر چلتا ہے وہ پیٹ نکال کر فخریہ انداز میں چلتی تھی- ساس کا بلڈ پریشر ہائی ہوگیا تھا-

وہ فون کے ذریعے نیویارک کی لیڈی ڈاکٹر سے رابطہ رکھتی تھی اور اس کے مشوروں پر عمل کرتی رہتی تھی- آٹھویں ماہ میں وکالت ڈاکٹر کے مشورے کے مطابق پھر اسے نیویارک لے گیا- ان دنوں بیگم سعدیہ نے نماز شروع کردی- پانچوں وقت سجدے کرنے لگیں- فارغ اوقات میں تسبیح پڑھتی جاتی تھیں اور تسبیح کے ہر دانے کے ساتھ دعائیں مانگتی تھیں- "یااللہ! یا میرے پروردگار! خیر خیریت سے پوتا ہوجائے' میرا بیٹا میرے پوتے کو لے کر خیر خیریت سے آجائے- وہ دشمن نہ آئے' اسے کچھ ہو جائے- زچگی میں بہت کچھ ہو جاتا ہے- اس کا بھی کام تمام ہوجائے- میرے مالک! تو دعائیں قبول کرتا ہے آج ایک بد دعا بھی قبول کرلے- میں ایک سو ایک دیگیں پکواؤں گی-"

وہ بد دعا دیتے وقت ایسے جذب کے عالم میں ہوتی تھیں کہ تسبیح کا دھاگا ٹوٹ جایا کرتا تھا اور دانے بکھر جاتے تھے- ایسے وقت دل کہتا تھا کہ شاید بد دعا لگ گئی ہے اور وہ تسبیح کے دانوں کی طرح بکھر گئی ہے- اپنی زندگی سے ٹوٹ گئی ہے- اللہ کرے ٹوٹ گئی ہو-

دسویں ماہ کے آغاز میں بیٹے نے وہاں سے منحوس خبر سنائی کہ شائستہ بالکل خیریت سے ہے- شاید بیٹے کے مرنے کی خبر بھی اتنی صدمات سے بھرپور نہ ہوتی جتنی بہو کے جی رہنے کی خبر تھی- پھر یہ خوشخبری ساتھ تھی کہ ایک نہیں دو بچے ہوئے ہیں- ایک پوتا ایک پوتی-

دو بچوں کو جنم دینے میں مرنے کا چانس زیادہ تھا- بیگم کو یوں لگا جیسے بد دعاؤں نے دعاؤں کا کام کیا ہے اور مرنے کا چانس ختم کیا ہے- انہوں نے جائے نماز اٹھا کر ایک گوشے میں ڈال دی- آئندہ نماز سے توبہ کرلی- نماز کے لیے ہاتھ باندھنے سے پہلے نماز کی نیت کی جاتی ہے- نیت درست نہ ہو تو نماز کبھی قبول نہیں ہوتی- بیگم نے توبہ کرکے طریق بندگی پر احسان کیا تھا-

بیٹا اور بہو دونوں بچوں کو لے کر آگئے- ولایت علی کی خوشیوں کا ٹھکانا نہیں تھا- وہ جشن منانے کی تیاریاں کرنے لگے- بیگم سعدیہ کو بیٹے کی اولاد دیکھنے کا بڑا ارمان تھا- انہیں گود میں کھلانے کی شدید تمنا تھی لیکن وہ پوتے پوتی کو گود میں لینے سے جھجکنے لگیں- وہ بالکل انگریز کے بچے لگ رہے تھے- اگرچہ وکالت بھی گورا چٹا تھا- پھر بھی بچے باپ سے میل نہیں کھا رہے تھے- زمیں آسمان کا فرق تھا بلکہ فرق ہی فرق تھا- دیکھا جائے تو کوئی

ضروری نہیں ہے کہ بچے باپ سے مشابہت رکھتے ہوں- بچے کالے پیلے' گورے چٹے اور نکٹے چپٹے بھی ہوتے ہیں- کہیں بالکل مشابہت ہوتی ہے اور کہیں نام کو مشابہت نہیں ہوتی لیکن بیگم کھٹک گئیں- ان میں سے کسی کو فوراً ہی گود میں نہیں لیا- وکالت نے پوتے کو ان کی گود میں ڈالتے ہوئے کہا "دیکھیں امی! میرے بیٹے کی پیشانی بالکل میری طرح کشادہ ہے- بڑی نصیبوں والا ہوگا-"

شائستہ اپنی بیٹی کو دونوں ہاتھوں پر رکھ کر بیگم سعدیہ کے سامنے کرتے ہوئے بولی "ذرا اسے دیکھیں امی! اس کی آنکھیں تو بالکل آپ کے جیسی ہیں- بڑی ہوگی تو دادی پوتی ایک لگیں گی-"

وہ اندر ہی اندر کڑھ رہی تھیں- یہ واضح طور پر نہیں کہہ سکتی تھیں کہ بچے اپنے باپ اور دادی پر نہیں گئے ہیں- ان کے سامنے ولایت علی کبھی پوتی کو چوم رہے تھے اور کبھی پوتے کو گود میں لے رہے تھے اور جشن منانے کے سلسلے میں احکامات صادر کرتے ہوئے کہہ رہے تھے کہ اس خوشی کے موقع پر صداقت کی بھی منگنی کردی جائے گی پھر چار چھ ماہ میں دوسری بہو لے آئیں گے- اس کے بعد بڑی بہو بھی اولاد کی خوشیاں دے گی-

ولایت علی نے خوشی کی تقریب میں پوتے کا نام سعادت علی اور پوتی کا نام زینت رکھا- ناچ گانے اور کامیڈی کے پروگرام رات بھر جاری رہے- ولایت علی رات بھر مبارکباد وصول کرتے کرتے تھک گئے' صبح بیمار پڑ گئے- بیماری کی وجہ یہ بھی تھی کہ صداقت نے پھر شادی کا معاملہ ٹال دیا تھا- ایک تو اسے کوئی لڑکی پسند نہیں آئی تھی- دوسرے کاروبار کے سوا کوئی دوسری بات نہیں کرتا تھا- اس نے باپ سے کہا "اولاد کی خوشیاں پوری ہو رہی ہیں- اب میں دو چار برس بعد شادی کروں تو کوئی فرق نہیں پڑے گا-"

ولایت علی کو پچھلے تین برسوں مین دوبار دل کا دورہ پڑچکا تھا- خلاف مزاج کوئی بات ہو تو بلڈ پریشر بڑھ جاتا تھا- وکالت کی طرف سے ملنے والے پوتے پوتی نے انہیں صداقت کے انکار کا زیادہ اثر نہیں لینے دیا تھا- وہ دو بچوں سے بہل گئے تھے-

پھر رفتہ رفتہ یہ بات انہیں کھٹکنے لگی کہ بیگم سعدیہ بچوں سے کتراتی تھیں- انہوں نے پوچھا "کیوں بچوں سے دور رہتی ہو؟"

بیگم نے جواب دیا "بس یونہی' بچوں پر محبت آئے گی تو میں خود ہی بڑھ کر انہیں گود میں لوں گی-"

"محبت کیوں نہیں آرہی ہے؟ تم تو بیٹے کی اولاد کے لیے ترستی تھیں- دعائیں مانگتی تھیں- منتیں مانتی تھیں اب کیسے دل پھر گیا ہے؟"

"میں کیا بتاؤں؟ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ بچے مجھے اپنی طرف مائل کیوں نہیں

کرتے ہیں؟"

"میں بتاتا ہوں تم نے شائستہ کو کبھی دل سے بہو تسلیم نہیں کیا ہے۔ اس کی طرح اس کی اولاد کو بھی دشمن سمجھتی ہو اور یہ بھول جاتی ہو کہ ان بچوں کا باپ تمہارا بیٹا ہے۔"

"لیکن بچے باپ سے بالکل مختلف ہیں ان پر باپ کی پرچھائیں تک نظر نہیں آتی ہے۔"

"کیا؟" ولایت علی نے شدید حیرانی سے پوچھا "کیا تم بہو کو بدکار اور میرے پوتے پوتی کو ناجائز کہتی ہو؟"

"یہ میرا دل کہتا ہے میرا دماغ کہتا ہے کہ انہیں اپنا نہ سمجھو۔"

"یہ تمہارے اندر شیطان کہتا ہے۔ تمہارے اندر کی دشمنی ایسا کہتی ہے آئندہ تمہاری زبان سے ایسے الفاظ نکلے تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔"

"آپ یہاں کے حاکم ہیں۔ حکم دے رہے ہیں تو زبان بند رہے گی لیکن حقیقت ایک دن ضرور سامنے آئے گی۔"

ولایت علی نے بے بسی سے کہا "برسوں سے ساس بہو کے جھگڑے دیکھتا آرہا ہوں کتنے ہی معاملات میں شائستہ درست ثابت ہوئی اور تمہاری غلطیاں پکڑی گئیں۔ اس بات نے تمہیں اور زیادہ بہو کا دشمن بنا دیا ہے۔ میری ایک بات مان لو۔ ایک بار محبت سے شائستہ کو گلے لگالو۔ اسے ممتا سے دیکھو تو اس کی کوکھ سے پیدا ہونے والے بچے تمہیں بالکل اپنے لگیں گے۔ جو کھوٹ نظر آرہا ہے وہ ختم ہوجائے گا۔ یہ بچے ہمارے خاندانی شجر کی پھیلتی اور بڑھتی ہوئی شاخیں ہیں۔ ہم فخر سے سینہ تان کر سوسائٹی میں کہتے ہیں کہ یہ ہماری آئندہ نسل ہیں۔ تمہیں بھی فخر کرنا چاہیے۔ ہمارے بڑھاپے میں آئندہ نسل کا غرور نہیں رہے گا تو پھر ہمارے پاس کیا رہ جائے گا؟ کچھ نہیں اور کچھ نہ حاصل کرنے سے بہتر ہے اسے محبت سے حاصل کرو جو مل رہا ہے۔"

وہ اٹھ کر جاتے ہوئے بولیں "آپ مجھے آنکھوں دیکھی مکھی نگلنے کو کہہ رہے ہیں۔ یہ مجھ سے نہیں ہوگا۔"

وہ چلی گئیں۔ ولایت علی سوچ میں پڑ گئے۔ بچے دیسی نہیں لگتے تھے۔ فارن آئٹم دکھائی دیتے تھے۔ انہوں نے دل کو سمجھایا۔ ایسا شاید اس لیے ہے کہ بہو کا پیر بھاری ہونے کے دنوں میں وہ وکالت کے ساتھ فارن کی آب و ہوا میں تھی۔ پھر زچگی بھی وہیں ہوئی تھی اور یہ بھی حقیقت ہے کہ بہت کم بچے ماں باپ سے مشابہت رکھتے ہیں۔ ورنہ حمل کے قیام سے زچگی تک عورت غیر شعوری طور پر جس آئیڈیل کے متعلق سوچتی رہتی ہے۔ بچے اسی کے مطابق وجود میں آتے ہیں۔

وہ لاحول پڑھتے ہوئے بڑبڑائے "شیطان ہمیشہ عورت کے ذریعے بہکاتا ہے۔ اسی لیے بیگم کے دل میں شک و شبہات کا شیطان بھڑکتا رہتا ہے اور یہ بیگم صاحبہ مجھے بہو سے بدظن کرنے کی سعی میں مصروف رہتی ہیں پھر ایک بار لاحول ولا قوۃ۔"

شائستہ کے ستارے عروج پر تھے۔ اس پر کوئی الزام نہیں آسکتا تھا۔ تقدیر مہربان ہوتی جارہی تھی۔ کوئی دو برس بعد تقدیر پھر مہربان ہوئی۔ اس خاندان میں ایسا المیہ پیش آیا جس کی توقع نہیں تھی۔ صداقت علی کار کے ایک حادثے میں ہلاک ہوگیا۔

یہ اتنا بڑا صدمہ تھا کہ ولایت علی بیٹے کی ٹوٹی پھوٹی لاش دیکھتے ہی کھڑے کھڑے گر پڑے پھر ان میں خود سے اٹھنے کی سکت نہ رہی۔ رشتے داروں نے انہیں اٹھا کر بستر پر ڈالا۔ تب سے وہ بستر کے ہی ہو کر رہ گئے۔ اس المیے کا فائدہ شائستہ اور وکالت کو پہنچا۔ وکالت تمام کاروبار جائداد اور تمام بینک بیلنس وغیرہ کا مالک و مختار ہوگیا اور شائستہ کے دونوں بچے مستند ہوگئے۔ اب ان بچوں پر شبہ کرکے خاندان کے بڑھنے والے شجر کو کاٹا نہیں جاسکتا تھا۔

صدمے کی شدت سے ولایت علی کی آواز بند ہوگئی تھی۔ ہاتھ پاؤں میں جان نہیں رہی تھی۔ ملازم انہیں اٹھا کر بٹھاتے تھے۔ بیگم سعدیہ چمچے سے رقیق غذا منہ میں ڈالتی تھیں کیونکہ ٹھوس خوراک ہضم نہیں ہوتی تھی۔ ان سے کوئی بات کہی جاتی تو وہ دیدے پھیلا کر سنتے تھے اور آنکھوں کے اشاروں سے ہی جواب دیتے تھے۔ ہاتھوں میں لکھ کر جواب دینے کی بھی سکت نہیں رہی تھی۔

شائستہ سائے کی طرح وکالت کے ساتھ لگی رہتی تھی۔ مل کے معاملات میں بھی اس کا عمل دخل بڑھ گیا تھا۔ وہ دوست احباب کو شوہر سے دور رکھتی تھی تاکہ کوئی اسے عیاشی اور آوارگی کی راہ پر نہ لے جائے۔ اسے بیگم ای کے ساتھ کہیں جانے کا موقع نہیں دیتی تھی۔ کاروبار کو قائم رکھنے اور منافع بڑھانے کے لیے وکالت جتنی محنت کرتا تھا۔ شائستہ اتنی ہی محنت اور ذہانت سے وکالت کو اپنی مٹھی میں رکھنے میں کامیاب تھی۔ وہ چند برسوں میں اسے اس مقام پر لے آئی تھی جہاں کاروبار تو شوہر ہی کا تھا لیکن تمام آمدنی اور جائداد اپنے نام کرچکی تھی۔ وکالت کو چیک لکھ کر دیتے وقت اسے بچہ بناکر پوچھتی تھی "اتنی رقم کیا کروگے؟ بہت فضول خرچ ہوتے جارہے ہو اپنی عادتیں سدھارو ورنہ جمعرات بھری مراد نہیں ہوگی۔"

دونوں بچے آٹھ برس کے ہوگئے تھے۔ شائستہ کو ان کی تعلیم و تربیت کے لیے وکالت سے کبھی کبھی دور رہنا پڑتا۔ وہ اس بات کی قائل نہیں تھی کہ بچوں کو گورنس کے حوالے کردیا جائے اور تعلیم کے لیے ٹیوشن پڑھانے والوں کی خدمات حاصل کی جائیں۔ وہ بچوں کی پرورش ذاتی توجہ سے کر رہی تھی۔ ایسے وقت بیگم سعدیہ کو موقع ملا۔ انہوں نے ایک

دن تنہائی میں بیٹے سے پوچھا۔ "بیٹے! میری ایک الجھن دور کردو۔ شائستہ بانجھ تھی پھر ماں کیسے بن گئی؟"

"علاج کے ذریعے۔"

"کیسا علاج ہوا تھا؟ کہاں ہوا تھا؟ کسی لیڈی ڈاکٹر نے کیا تھا یا مرد ڈاکٹر نے؟"

"میں آپ کے سامنے وضاحت سے کہہ نہیں سکتا۔ بہتر ہے آپ شائستہ سے پوچھ لیں۔ یا ٹیوب بے بی کا کورس پڑھ لیں۔"

"کیا ٹیوب بے بی؟"

"دیکھیں آپ شبہ نہ کریں۔ شائستہ نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے اور میں بے غیرت نہیں ہوں۔ ان دو بچوں نے ثابت کردیا ہے کہ میں نارمل ہوں۔ شائستہ میں نقص تھا' وہ علاج کے ذریعے دور ہوگیا۔"

"میں ایسی بھی جاہل گنوار نہیں ہوں کہ ٹیوب بے بی کے طریقہ کار کو نہ سمجھوں اور اسے علاج مان لوں۔ تم نے کیسے مان لیا کہ نارمل ہو؟"

"میرے بچے ثبوت ہیں۔"

"بچوں سے پہلے کیا ثبوت تھا کیا تم نے طبی معائنہ کرایا تھا؟"

"جی نہیں۔ میں اس کی ضرورت نہیں سمجھتا۔"

وہ سوچتی ہوئی نظروں سے بیٹے کو دیکھنے لگیں۔ پھر بولیں "بیٹے! میں نے تجھے نو مہینے پیٹ میں رکھا تجھے پیدا کیا تجھے دودھ پلایا۔ تجھے کچھ ہو جاتا تھا تو رات بھر تیرے سرہانے جاگتی رہتی تھی۔ میری ان تمام محبتوں اور خدمتوں کا صرف ایک صلہ دے دے۔ میری ایک چھوٹی سی بات مان لے۔"

"امی! آپ حکم دیں۔ اتنی عاجزی سے باتیں نہ کریں۔"

"کیا بات مانے گا؟"

"ضرور آپ فرمائیں۔"

"میں کل صبح ڈاکٹر سے وقت لیتی ہوں تو طبی معائنہ کرالے۔"

"امی! اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

وہ ایسا سنہری موقع ہاتھ سے گنوانا نہیں چاہتی تھیں دونوں ہاتھ جوڑ کر بولیں "زندگی میں پہلی بار پیدا کرنے والی ماں ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہے جب تو نارمل ہے تو اعتراض کس بات کا؟ معائنہ کرالے اور دودھ کا دودھ پانی کا پانی کردے۔"

وہ ماں کے ہاتھوں کو تھام کر بولا "آپ ہاتھ جوڑ کر شرمندہ نہ کریں۔ آپ ڈاکٹر سے ٹائم لیں میں آپ کے ساتھ جاؤں گا۔"

"خوش رہو۔ سدا سلامت رہو بیٹے! تم نے دودھ کا حق ادا کردیا۔ ایک بات اور مان

لو جب تک میڈیکل رپورٹ نہ آئے تب تک ڈاکٹر کے پاس جانے والی بات شائستہ کو نہ بتانا۔"

"امی! اسے معلوم ہوگا تو کیا ہوجائے گا۔"

"بہت کچھ ہو جائے گا۔ وہ بہت چالاک ہے معائنہ نہیں ہونے دے گی۔ اتنی مکار ہے کہ بھاری رشوت کے ذریعے رپورٹ بدل دے گی۔ وہ کچھ بھی کرسکتی ہے۔ میں اس کے منہ لگنا نہیں چاہتی یہ کام چپ چاپ کرنا چاہتی ہوں۔"

"اچھی بات ہے آپ کہتی ہیں تو شائستہ سے نہیں کہوں گا لیکن آپ سوچ لیں جب بھی آپ کی باتوں پر چلتا ہوں تو نقصان اٹھاتا ہوں۔"

"ماں کی جان! آخری بار مجھ پر بھروسہ کرلے اگر تجھے ذرا بھی نقصان پہنچا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

بیٹے نے رازداری کا وعدہ کرلیا لیکن یہ بیگم سعدیہ کی کم بختی تھی کہ وہ جمعرات کی شام تھی۔ اس رات بیٹے پر بہو کی محبتیں اور مہربانیاں نازل ہوا کرتی تھیں اور وہ شادی کے بارہ برس بعد بھی سحر زدہ ہوتا رہتا تھا۔ ان بارہ برسوں میں شائستہ لہو بن کر اس کی رگوں میں دوڑتی رہی تھی۔ شب خیرات کے لمحات میں اپنے خیالات اس کے اندر ٹھونس دیتی تھی اور اس کے اندر سے جو اگلوانا چاہتی تھی سانپ کے منکے کی طرح اگلوالیتی تھی۔

تیس برس کے بچے نے بیوی کی ممتا پالیسی کے آگے فرفر سارا سبق سنادیا۔ اس نے پوچھا "کیا ڈاکٹر کے پاس جاؤ گے؟"

"کل جمعہ ہے' ڈاکٹر نے ہفتے کو بلایا ہے۔ تم اعتراض نہ کرو۔ جبکہ اچھی طرح جانتی ہو مجھ میں نقص نہیں ہے۔"

"نقص ہے۔"

"کیا؟" اس نے چونک کر پوچھا۔ پھر ہنستے ہوئے کہا "کیوں مذاق کرتی ہو۔"

"میں سنجیدگی سے کہہ رہی ہوں تم بانجھ ہو۔"

"کیا سچ کہہ رہی ہو؟ مگر تم نے تو کہا تھا میں بالکل نارمل ہوں۔"

"بے شک ایک شوہر کی حیثیت سے بالکل نارمل ہو لیکن تمہارے خون میں باپ بننے کے جراثیم نہیں ہیں۔"

"پھر میں باپ کیسے بن گیا؟"

"ٹیوب بے بی سسٹم سے۔"

وکالت کو چپ سی لگ گئی۔ اسے غصہ آنا چاہیے تھا لیکن بارہ برسوں کی شناسا بانہوں میں تھا۔ چہرہ دل کی دھڑکن سے لگا ہوا تھا۔ اوپر سے سیاہ زلفوں نے ڈھانپ رکھا تھا اور وہ جیسے الجھا ہوا سا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا۔ شائستہ اس کا سر سہلاتے ہوئے کہہ رہی

تھی "عقل سے سوچو۔ میں نے کوئی گناہ نہیں کیا ہے۔ یہ بدن صرف تمہارے لیے ہے
اسے کسی نے ہاتھ نہیں لگایا ہے۔"

"پھر بھی کوئی تو ان بچوں کا باپ ہے؟"

"کون ہے؟ تم نہیں جانتے۔ میں بھی نہیں جانتی۔ جس مادے نے مجھے ماں بنایا' اس
کی کوئی صورت نہیں تھی اس کا کوئی نام نہیں تھا۔ اس کی کوئی شناخت نہیں تھی۔"

"پھر بھی کوئی پرائی چیز تم نے قبول کی۔"

"جسمانی گناہ کے بغیر قبول کی۔ کسی نامحرم کے پاس نہیں گئی۔ کوئی نامحرم میرے پاس
نہیں آیا۔ گناہ وہ ہوتا جب رضوانہ تمہیں فریب دے کر کسی بازاری مرد سے بچہ لاتی اور
تمہارے نام کرتی۔"

"ہاں مانتا ہوں تم نے بازاری انداز اختیار نہیں کیا لیکن کیا..."

"لیکن ویکن میں نہ الجھو۔ یہ بتاؤ ایک شریف اور باضمیر عورت کے لیے اس سے
محفوظ اور آبرومندانہ راستہ کیا ہوگا کہ وہ اپنے شوہر کے اعتماد اور غیرت کو بھی قائم رکھے'
نامحرم سے بھی دور رہے اور اگلی نسل پیدا کرنے کے خاندانی تقاضے بھی پورے کرے۔ تم
لوگ خاندانی شجرہ قائم رکھنے کے لیے ...اولاد بھی چاہتے ہو اور عورت سے وفا بھی چاہتے ہو
جبکہ باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہوتے ہو۔"

وہ ایک ذرا توقف سے بولی "میں عورت ہوں۔ حیا سے جینا چاہتی ہوں۔ کسی غیر مرد
کی نظروں میں اپنے شوہر کو گرانا نہیں چاہتی۔ اتنی بڑی دنیا میں کوئی ایسا شخص ہے جو دعویٰ
کرے کہ اس نے تنہائی میں تمہاری بیوی کا ہاتھ پکڑا ہے؟"

وہ قائل ہو رہا تھا۔ کوئی اس کی شریک حیات کو فتح کرنے کا دعویٰ نہیں کرسکتا تھا
کہیں سے ایک ذرا سی کیچڑ نہیں آسکتی تھی۔

اس نے کہا "میں تمہیں الزام نہیں دوں گا۔ امی نے سوکن لاکر تمہیں مجبور کیا۔ ابا
جان بھی یہی چاہتے تھے ہماری نسل آگے بڑھے خواہ کسی بہو سے بڑھے۔ غلاظت بھری کھاد
کے بغیر کوئی شجر نہیں پھلتا اور پھلتا پھولتا دیکھنے کی آرزو رکھنے والے یہ نہیں سوچتے کھاد
کہاں سے آئی ہے۔ لیکن ..."

وہ پیار سے سر سہلاتے ہوئے اس کی پیشانی کو چوم کر پچکارتے ہوئے بولی "تمہارے
اندر جتنے "لیکن" ہیں سب اگل دو کوئی بات پھانس بن کر نہ رہے۔"

"وہ بات یہ ہے کہ بچے تو ہمارے نہ ہوئے؟"

وہ بولی "میرے ہیں وہ نو ماہ تک میرے خون میں حیات پاتے رہے انہوں نے مجھ سے
جنم لیا اور میرا دودھ پیتے رہے میری ممتا کا ایک ایک لمحہ ان کے لیے ہوتا ہے اور ان کی
زندگی کی ایک ایک سانس میری ممتا کی بقا کے لیے ہوتی ہے وہ سر سے پاؤں تک اور ازل

سے ابد تک میرے ہیں اور جو میرے ہیں وہ کیا تمہارے نہیں ہیں؟"

"بے شک تم میری ہو تم نے میرے لیے انہیں جنم دیا ہے۔ اس لیے وہ میرے ہیں
لیکن ..."

وہ خاموش رہی اس اعتماد کے ساتھ کہ ہر "لیکن" کا جواب موجود ہے۔

اس نے کہا "لیکن ہمارے خاندانی شجرے میں کیا لکھا جائے گا۔"

"اس معاشرے میں اور اس دنیا میں کوئی تسلیم کرے یا نہ کرے قیامت کے دن ماں
کے نام سے شجرہ بیان کیا جائے گا ہر بچے کو اس کی ماں کے نام سے پکارا جائے گا کیا تم کلام
پاک کی آیت سے انکار کروگے؟"

"نہیں توبہ۔ خدا ہمیں معاف کرنے والا ہے سعادت علی اور زینت میرے بچے ہیں
اور ابا جان میری ہی ولدیت سے ان کے نام شجرے میں لکھ چکے ہیں لیکن ... لیکن امی کی
زبان بند نہیں ہوگی۔ وہ تم سے انتقام لینے کے لیے اس راز کو راز نہیں رہنے دیں گی۔"

"تم امی سے کتنا نقصان اٹھاؤگے؟ کب تک انہیں عذاب کی طرح سر پر مسلط
رکھوگے؟"

"وہ تو جب تک زندہ ہیں مسلط رہیں گی۔"

"میں اب انہیں برداشت نہیں کروں گی۔ وہ کسی وقت بھی ہمارے بچوں کو نقصان
پہنچا سکتی ہیں۔ ان سے ابھی جاکر کہہ دو۔ وہ صبح بہادر آباد والے فلیٹ میں منتقل ہوجائیں۔"

"نہیں شائستہ! یہ کیسی باتیں کر رہی ہو؟"

"کیا انہوں نے تمہیں بازاری عورت کے چکر میں نہیں پھنسایا تھا؟"

"ہاں یہ ان کی غلطی تھی..."

"تمہیں حوالات میں جانے سے کس نے بچایا؟ میں نے یا تمہاری ماں نے؟"

"تم نے۔"

"تمہیں ایک فراڈ عورت کے ناجائز بچوں کا باپ بننے سے کس نے روکا؟"

"تم نے۔"

"صداقت بھائی کو گھر سے نکال کر تمہارے قدم یہاں کس نے جمائے؟"

"تم نے۔"

"آج تک جو کچھ یہاں ہوتا رہا اس پر غور کرو تو معلوم ہوگا کہ وہ حماقتیں کرکے
تمہیں ذلت کے راستے پر لے جاتی رہیں اور میں تمہیں ترقی' عزت اور وقار کی راہوں پر
لاتی رہی جو ماں اپنے بیٹے سے نادانی میں دشمنی کرتی ہو وہ میرے بچوں کو کب چھوڑے گی؟"

"تم بہت پکی اور سچی باتیں کرتی ہو لیکن امی کو یہاں سے نکالا جائے گا تو دنیا کیا کہے گی؟"

"صداقت بھائی کو نکالا گیا تھا تو دنیا نے کیا کہا تھا؟"

"اس وقت ہم نے دنیا کی پروا نہیں کی تھی۔"

"آج بھی نہیں کریں گے۔"

"ٹھیک ہے لیکن ابا جان کیا کہیں گے؟"

"ان کی تو آواز بند ہوگئی ہے۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے۔"

"لیکن امی ان کے سامنے فریاد کریں گی۔"

"وہ دیواروں سے فریاد کریں گی۔ ابا جان ایسی دیوار بن چکے ہیں جن سے آوازیں ٹکرا کر واپس ہوجاتی ہیں۔"

وہ سوچ میں پڑگیا۔ شائستہ نے کہا "ہمارے دو بچوں سے خاندان کا نام روشن رہے گا۔ نام روشن رکھنا چاہتے ہو تو ماں کو اس گھر سے بھجوا دو۔ وہ فلیٹ میں رہیں گی تو رشتہ نہیں ٹوٹے گا۔ تم جب چاہوگے میرے ساتھ وہاں جاکر ان سے ملاقات کروگے اگر انہیں یہاں سے رخصت نہیں کروگے تو کل صبح میں بچوں کو لے کر چلی جاؤں گی یا اسی کمرے میں اپنی جان دے دوں گی۔"

"ایسا نہ کہو میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکوں گا۔"

"تو پھر جاؤ اور ماں سے بوریا بستر باندھنے کے لیے کہو۔"

"ٹھیک ہے مگر ابھی ... ابھی تو جمعرات پوری نہیں ہوئی ہے۔"

"پوری ہوجائے گی۔ میں کہیں بھاگی تو نہیں جارہی ہوں۔"

اس نے بانہوں سے الگ کردیا۔ وہ بستر پر اٹھ کر بیٹھتے ہوئے یوں محسوس کرنے لگا جیسے جنت سے نکالا جارہا ہو۔ اگر حکم کی تعمیل نہ کی اور جلد واپس نہ آیا تو ممتا کے جنم میں دم گھٹ جائے گا۔

اس نے ماں کے دروازے پر دستک دی۔ دروازہ کھل گیا۔ بیگم سعدیہ نے کچھ پوچھنا چاہا۔ اس سے پہلے بہو کے بیڈ روم کی طرف نظر گئی بہو اپنے دروازے پر کھڑی ہوئی تھی۔ بیگم نے بیٹے سے پوچھا۔ "کیا بات ہے؟"

بیٹے نے کہا "بات کچھ نہیں ہے شیر اور بکری ایک گھاٹ میں پانی نہیں پی سکتے۔ جب تک آپ یہاں رہیں گی شائستہ کے خلاف سازشیں کرتی رہیں گی۔"

"لڑکے! تونے پھر پٹری بدل دی۔ کیا مجھے گھر سے نکالنے آیا ہے؟ کیا میں ہی سازشیں کرتی ہوں کیا اولاد کے بہانے اس نے تیری ناک نہیں کاٹی ہے؟"

"آپ فضول باتیں نہ کریں اگر آپ میرے بچوں کو میرا نہیں سمجھتی ہیں اور دادی

کہلانے سے انکار کرتی ہیں تو میں آپ کو ماں کہنے سے انکار کرتا ہوں۔"

"تیرے انکار کرنے کے باوجود میں ماں رہوں گی اور وہ جو مجھے یہاں سے نکالنا چاہتی ہے اسے کل ہی میں یہاں سے دھکے دے کر نکالوں گی یہ میرے شوہر ولایت علی کی کوٹھی ہے۔"

"آپ جانتی ہیں' اب یہ ابا جان کی نہیں رہی' مل کوٹھی اور تمام جائداد میری ہے۔ اس میں کچھ حصہ آپ کا ہے۔ یہ کوٹھی میں شائستہ کے نام لکھ چکا ہوں۔"

بیگم سعدیہ نے چونک کر بیٹے کو بے یقینی سی دیکھا۔ شائستہ نے اپنے دروازے پر سے کہا "میں اسی وقت اس کوٹھی کے کاغذات دکھاکر دھکے دوں گی۔"

بیگم سعدیہ نئی کوٹھی خرید سکتی تھیں لیکن بہو وہاں سے نکالنا چاہتی تھی۔ یہ توہین برداشت نہیں ہوسکتی تھی۔ اب بھی بازی جیت لینے کی امید تھی۔ بیگم کے خیال کے مطابق شائستہ وکالت کو طبی معائنہ سے روکنے کے لیے ایسی حرکتیں کر رہی تھی۔ وہ بولیں "وکالت! میں نے ماں ہوکر تیرے سامنے ہاتھ جوڑے تھے تونے ماں کی اتنی سی بھی عزت نہیں رکھی؟"

"امی! آپ اپنی عقل میری کھوپڑی میں نہ ٹھونسیں۔ میں دو بچوں کا باپ ہوں طبی معائنہ نہیں کراؤں گا۔"

"کیا اپنے خون کا حساب نہیں کرے گا؟"

"میں اولاد کا حساب جانتا ہوں اور قیامت کے دن اولاد ماں کے نام سے پکاری جائے گی۔"

بیگم سعدیہ کا منہ حیرت سے کھلا رہ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھیں کہ شائستہ اتنا زبردست نکتہ وکالت کے دماغ میں ٹھونس دے گی۔

"ارے کمبخت! یہ تجھے الو بنا رہی ہے میں اس کے ہاتھوں تجھے برباد نہیں ہونے دوں گی اگر اس کلموہی کے پاس جائے گا تو میں اپنی جان دے دوں گی۔"

بہو نے اپنے کمرے کی دہلیز پر سے کہا "دودھ پینے کی عمر ہو تو بچہ ماں کی گود میں جاتا ہے تم تو دروازہ کھول کر بیٹے کو بلا رہی ہو۔ میں دروازہ بند کرکے تماشا دکھاتی ہوں اُدھر جاتا ہے دیکھو یا اِدھر پروانہ آتا ہے؟"

یہ کہتے ہی بہو نے ایک زوردار آواز سے اپنے کمرے کے دروازے کو بند کرلیا۔ یہ نفسیاتی حملہ تھا۔ وہ جمعرات بھری مراد نظروں سے اوجھل ہوگئی تھی۔ اسے مزید تڑپانا چاہتی تھی۔ اس کے بعد وہ اسٹور روم سے لائی ہوئی لانبی رسی لے آئی۔ پنکھے کے نیچے کرسی رکھ کر اس پر چڑھ گئی۔ رسی کا ایک سرا پنکھے سے باندھنے لگی۔

اس خاندان کے لوگ بڑے نفاست پسند تھے ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتے تھے لیکن یہ

ناقابل انکار سچائی ہے کہ آدمی چار دن کا بھوکا ہو اور کھانے میں، مکھی گر جائے تو نفاست پسندی کا زور ٹوٹ جاتا ہے' آنکھوں دیکھی مکھی نگلی نہیں جاتی۔ اس لیے مکھی پھینک دیتے ہیں کھانا نہیں پھینکتے۔

وہ ماں کو باہر پھینک سکتا تھا۔ بیوی کو نہیں پھینک سکتا تھا۔ بیوی کے کردار پر مکھی گری تھی لیکن موجودہ حالات میں ماں مکھی کی طرح ناقابل برداشت ہوگئی تھی۔ وہ تیزی سے چلتا ہوا بند دروازے کے پاس آیا پھر دستک دیتے ہوئے بولا "پلیز دروازہ کھولو۔"

اندر سے آواز آئی۔ "پہلے کھڑکی سے بات کرو۔"

وہ کھڑکی کے پاس آیا۔ اندر سے کھڑکی کا پردہ ذرا سا ہٹا ہوا تھا۔ کمرے کا کچھ حصہ نظر آرہا تھا چھت سے پنکھا لٹک رہا تھا۔ پنکھے سے رسی لٹکی ہوئی تھی اور رسی کے نچلے سرے پر پھندہ بنا ہوا تھا وہ تڑپ کر بولا۔ "یہ کیا حماقت ہے وہاں سے کرسی ہٹاؤ دروازہ کھولو۔"

وہ بولی "یہ قصہ ختم ہوجانا چاہیے میں مرجاؤں تو میرے بچوں کو کسی فلاحی ادارے میں بھیج دینا۔"

اسی وقت بیگم سعدیہ نے بیٹے کے پاس آکر کھڑکی سے اندر دیکھا پھر بولیں "بیٹا! یہ مرنے والی نہیں ہے ناٹک کر رہی ہے۔"

شائستہ نے پھندے کو اپنی گردن میں ڈالا۔ وہ گرج کر ماں سے بولا "کیوں بکواس کرتی ہو وہ مرجائے گی۔ بچے نہیں رہیں گے تو کیا خاندان کا نام رہے گا؟"

وہ پھندے کو اپنی گردن میں کستے ہوئے بولی "یہ فیصلے کی آخری گھڑی ہے بولو میں کرسی کو لات ماروں یا تم اپنی ماں کو ٹھوکر مارو گے؟ میں اپنے بچوں کی دشمن کو یہاں ایک منٹ برداشت نہیں کروں گی۔"

وہ ایک ساعت کے لیے سانس لینا بھول گیا۔ وہ فیصلے کا آخری لمحہ تھا۔ وہ جلدی سے سنبھل گیا اور فیصلے پر پہنچ گیا۔

"نہیں شائستہ! امی جارہی ہیں۔ ابھی جارہی ہیں۔"

وہ ماں کو پکڑ کر ایک طرف گھماتے ہوئے بولا "خدا کے لیے جاؤ مجھ پر اور میری آئندہ نسل پر رحم کرو۔ خدا کے لیے جاؤ۔"

وہ رو پڑیں بارہ برس میں پہلی بار بہو کے سامنے ہی آنسو نکل آئے۔ شائستہ نے آنسوؤں کے ہتھیار کو کند کرنے کے لیے کہا۔ "اس وقت گھڑی میں گیارہ بج کر پینتالیس منٹ ہوئے ہیں' اگر پندرہ منٹ میں آئندہ نسل کی دشمن یہاں سے نہ گئی تو ٹھیک بارہ بجے میں کرسی کو لات مار کر پھندے سے لٹک جاؤں گی۔"

واقعی فیصلے کی آخری گھڑی تھی اور گھڑی کے کانٹے پندرہ منٹ میں بارہ بجانے والے تھے۔ وہ ماں کو راہداری میں ایک طرف کھینچتے ہوئے بولا "دروازہ بند ہے میں اندر جا نہیں

سکتا۔ اسے خود کشی سے باز نہیں رکھ سکتا۔ دروازہ توڑنے تک وہ جان دیدے گی۔ امی! رحم کرو۔ فوراً جاؤ۔ آج رات فلیٹ میں گزارو۔ میں کل آکر ملاقات کروں گا۔ ابھی یہاں سے چلی جاؤ۔"

وہ بولتا ہوا ماں کو کھینچ کر۔۔۔زینے کی بلندی تک آیا۔ وہ ایک جھٹکے سے ہاتھ چھڑا کر دوڑتی ہوئی ولایت علی کے کمرے میں آئیں۔ چیخ کر بولیں "آپ مجھے دلہن بناکر یہاں لائے تھے' آپ کی اولاد مجھے کچرا سمجھ کر باہر پھینک رہی ہے۔ اس کمبخت سے کہہ دیں کہ یہ ہمارا گھر ہے۔"

ولایت علی پلنگ کے سرہانے ٹیک لگائے نیم دراز تھے۔ دیدے پھیلائے بیگم کو دیکھ رہے تھے۔شاید سن رہے تھے مگر بول نہیں سکتے تھے۔اگر وہ آنکھوں کی زبان سمجھتیں تو وہ آنکھوں سے کہہ رہے تھے "اب یہ گھر ہمارا نہیں رہا۔ کوئی وقت آتا ہے کہ پھر یہ دنیا بھی ہماری نہیں رہے گی۔ ہمیں آنے والوں کے لیے دنیا خالی کرنی پڑتی ہے۔"

وہ پھر چیخنے لگیں۔ "آپ بول نہیں سکتے ہیں۔ کیا نہ بولنے والوں کے حقوق چھین لیے جاتے ہیں؟ آپ جس خاندان کی آن بان اور شان کے گن گایا کرتے تھے اس کے شجرے میں ملاوٹ ہوگئی ہے۔ پہلے گناہ پکڑا جاتا تھا۔ آج ٹیوب بچے اپنی ماں کا گناہ مٹا دیتے ہیں۔ ملاوٹ کی خبر ہونے نہیں دیتے لیکن میں یہ پکی خبر لائی ہوں۔ آپ اٹھیں اور اپنی آخری تمام قوتوں کو سمیٹ کر بیٹے کے بڑھتے ہوئے شجر پر تھوک دیں۔ آپ بول نہیں سکتے۔ تھوک تو سکتے ہیں۔"

ان کے پھیلے ہوئے دیدے کہہ رہے تھے "کچھ بھی کرلو۔ ہم تم خزاں رسیدہ پتے ہیں۔ ہمیں اپنے شجر سے ٹوٹ کر گرنا ہے گھٹنے ٹیک دو۔ زمانہ بدل گیا ہے۔ طب اور سائنس انسانی شجرکاری کا دستور بدلتے جارہے ہیں۔"

باہر سے بیٹے کی آواز آئی۔ "امی! صرف پانچ منٹ رہ گئے ہیں۔ شائستہ کے ساتھ میں بھی دنیا سے جارہا ہوں۔"

وہ دوڑتی ہوئی کمرے سے باہر آئی۔ بیٹا زینے کی بلندی پر کھڑا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ریوالور دیکھ کر ماں کا کلیجہ کانپ گیا۔ وہ اس کے قریب آنا چاہتی تھیں۔ اس نے ریوالور کو اپنی کنپٹی سے لگاکر کہا "خبردار میری طرف آؤگی تو میں مرجاؤں گا۔ بیٹے کی زندگی چاہتی ہو تو کوٹھی سے نکل جاؤ۔"

وہ انکار میں دونوں ہاتھ ہلاتی ہوئی زینے سے نیچے جاتی ہوئی بولیں نہ بیٹا نہ گولی نہ چلانا جان نہ دینا میں جارہی ہوں۔ میں جارہی ہوں بیٹے۔۔۔

وہ زینے سے اتر گئیں نیچے بڑے ہال میں تیزی سے چلتی ہوئی بیرونی دروازے کی طرف جاتی ہوئی بولیں "میں راضی خوشی جارہی ہوں۔ تمہارے ابا جان کی خاموشی نے سمجھا

دیا ہے کہ ہم پرانے دقیانوسی لوگ ہیں تہذیب کی طہارت کے بغیر نہیں رہ سکتے- نہیں رہ سکتے- نہیں رہ سکتے-"

وہ کوٹھی سے نکل گئیں- نظروں سے اوجھل ہوگئیں- ان کی آواز رات کے سناٹے میں دور ہوتی جارہی تھی- اندر ولایت علی پلنگ کے سرہانے ٹیک لگائے نیم دراز تھے- ان کے پھیلے ہوئے دیدے ساکت ہوگئے تھی- گردن یوں ڈھلک گئی تھی جیسے بوڑھا درخت جڑ سے اکھڑ کر زمیں بوس ہوگیا ہو-

---